نشانِ آرزو

دیوان

شاعرِ اعظم "آرزو" لکھنوی

کتب خانہ تاج آفس
محمد علی روڈ، بمبئی نمبر ۳

سرپور پیپر ملز لمیٹڈ

کے کارپردازان و منتظمین کا ہم دلی شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے ہمیں کاغذ دے کر اس قابل بنایا کہ آج جب کتابوں کی نشر و اشاعت کاغذ کی کمیابی کے سبب ختم ہو رہی ہے، ہم علامہ آرزو لکھنوی کا تازہ کلام سرپور پیپر ملز کے بنائے ہوئے کاغذ پر شائع کر کے قدر دان ہاتھوں تک پیش کرنے کا فخر حاصل کر رہے ہیں۔

نذیر احمد
(مالک) کتب خانہ تاج آفس بمبئی ۳

۷۸۶

عرض حال

۱۔ میرا یہ مجموعہ غزلیات جو تاج آفس کے ذریعہ "نشانِ آرزو" کے نام سے پیش ہو رہا ہے اسکی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے نہیں بلکہ جتنی غزلیں جس طرح جمع ہوسکیں وہ اسی طرح چھپنے کو دیدیں۔ چھ سات سال سے میرا تعلق ایسے اداروں سے ہے، اب نہ وہ ماحول ہے جو غزل کہنے پر مجبور کرتا ہے نہ اتنا شوق ہے جو پہلے تھا، نہ اتنی فرصت کہ اپنے شوق سے یا دوسروں کی فرمائش سے غزلیں کہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں اکثر غزلیں ایسی ہیں کہ ایک دو شعر کہنے کے بعد کسی دوسری طرف متوجہ ہو جانے سے غزل نامکمل رہ گئی اور پھر موقع نہ ملا کہ اسے مکمل کیا جاتا۔ اسوقت میری مصروفیتیں نہ اسکا موقع دیتی ہیں کہ طبیعت کو کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ کروں نہ صحت کی خرابی اسکی اجازت دیتی ہے کہ دماغ پر زیادہ بوجھ ڈالوں۔ لیکن حبیب دلنواز ذاکر حسین صاحب فاروقی، بی اے کے بیحد اصرار پر شاعری کے متعلق عموماً اور غزل کی شاعری کے متعلق خصوصاً اپنے چند پراگندہ خیالات بغیر کسی منطقی ترتیب کے پیش کئے دیتا ہوں۔

"گر قبول افتد زہے عز و شرف"

شاعری

طبیعت کا وہ ابال جو دلی تاثرات سے پیدا ہو، شاعری کا اصلی مواد ہے۔ اور دماغ کی وہ کاوشیں جو فنی معلومات کے تابع ہوں تکمیل شعر کی ضمانت ہیں۔

شعر کو اپنے معانی کے پھیلاؤ میں تاثیر کا حامل ہونا چاہیے اور محاسن صوری میں قدرت بیان کا مکمل نمونہ۔

پسندیدہ شاعری وہ ہے جس سے سخن فہم کو یا کوئی فائدہ حاصل ہو یا کیف۔ اگر د

حاصل ہوں (یعنی شعر سے کوئی مفید سبق بھی ملے اور لطف بھی حاصل ہو نورٌ علیٰ نور، اور اگر کوئی بات حاصل نہ ہو (یعنی بامعنی موزوں کلام اور بس) تو تضیع اوقات ہے۔

شعر نتیجہ ہوتا ہے دل ودماغ کی کاوشوں کا اس لئے اگر اسکی تحقیق دلی تاثرات سے نہیں ہوئی ہے تو بے کیف ہوگا اور اگر شعر کی تحقیق تو وجدان کے ماتحت ہے مگر دماغی کاوشوں سے جو درستی کی ضامن ہوتی ہیں خالی ہے تو غلطی کا امکان ہے۔ مگر میرے نزدیک بے کیف شعر سے غلط شعر بہتر ہے کہ سننے والا اس سے لطف اندوز ہو سکتا ہے، اور غرض وغایت شعری یہی ہے۔ اور صحیح شعر بے کیف ہے تو شعر نہیں نظم ہے جس سے اتنا ہی لطف آسکتا ہے جتنا وزن عروض اسے مترنم کر سکتا ہے۔ بعض اشعار دلی تاثرات کا مرقع ہوتے ہیں اور وہ لفظی صنعت گری سے بے نیاز ہوتے ہیں اور بعض شعرا ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں لفظی صنعت گری حُسن کا زیور بن جاتی ہے۔ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جنکے حقیقی حسن کو آرائش لفظی اتنا ڈھنک دیتی ہے کہ پھر شعر آراستہ حسین کے بدلے پھولوں کا ڈھیر یا زیور کا انبار بن کے رہ جاتا ہے اور جس شعر میں سوا لفظی صنعت گری کے کوئی معنوی کیف نہو ایسے تو کوئی صاحب مذاق سلیم کبھی پسند نہیں کر سکتا۔

مذکورہ بالا حالات سے کسی بڑے سے بڑے شاعر کا کلام بھی مستثنےٰ نہیں۔ جس کے مختلف وجوہ ہوتے ہیں۔

۱۔ جس وقت شاعر اپنے شوق سے شعر کہتا ہے اور طبیعت بھی حاضر ہوتی ہے تو دماغ ودل پر الہام سا ہونے لگتا ہے اس شاعری کا کیا کہنا۔ اور

۲ جسوقت شاعر کسی مجبوری میں پھنس کر یا دل ناخواستہ شعر کہتا ہے تو الہام سے محروم ہوتا ہے اور اپنا وقار شاعری قائم رکھنے کے لئے وہ صنعت گری پر اتر آتا ہے اور بڑے بڑے لاحل عقدے حل کر ڈالتا ہے۔ مگر کیف پیدا نہیں کر سکتا۔

شاعری کی عملی شاہراہیں دو ہی ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ خیال پہلے سے دماغ میں موجود اور اظہار خیال کے لئے زمین معین نہ ہو۔ یعنی وہ اپنے خیال کو مختصر ہونے کی وجہ سے ایک فرد ایک رباعی میں ادا کرے۔ یا خیال کے طویل ہونیکی وجہ سے مثنوی مسدس وغیرہ کی صورت میں

ظاہر کرے۔

دوسری شاہراہ یہ ہے کہ خیال پہلے سے موجود نہو اور زمین معین ہو چکی ہو۔ جیسے مشاعرے مقاصدے وغیرہ کے لئے مصرع طرح کہ پہلے سے مقرر ہو جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی بحر ہے۔ کونسا قافیہ ہے۔ کس طرح کی ردیف ہے۔ اس صورت میں قافیہ کے معنی یا قافیہ اور ردیف کے میل سے خیال کی تخلیق ہوتی ہے اور شاعر اپنے مذاق کے موافق کوئی پہلو اختیار کر کے خیال کو وسعت دیکر شعر کا جامہ پہناتا ہے۔

مذاق مختلف ہیں اس لئے جو قافیہ شاعر کے مذاق طبیعت سے الگ ہوتا ہے اُسے یا تو وہ ترک کرتا ہے یا اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ قوت شاعرانہ پانی کو آگ اور آگ کو پانی بنالینا کھیل جانتی ہے۔ اسی طرح شعر کے پسند کرنے والے بھی مختلف الخیال ہوا کرتے ہیں۔ جس کو جو شعر اپنے میلان طبع کے موافق ملتا ہے وہ اسے پسند کرتا ہے اور دوسرے بہتر سے بہتر اشعار پر اپنے دل پسند اشعار کو ترجیح دینے لگتا ہے اسی پسندیدگی کو معیار قرار دیکر وہ تبصرے اور تنقید پر بھی اتر آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو جسے پسند نہو وہ اسکی تعریف کیوں کرے اور جو پسند ہو اسکی تعریف کیوں نہ کرے۔ مگر اسے یہ حق نہیں کہ وہ دوسروں کی پسند کو بدلوانے کا درپے ہو کر زمین و آسمان ایک کرنے لگے۔

شاعری اور شعر کا فیصلہ اصولی حیثیت سے ہونا چاہئے نہ کہ اپنی پسند سے۔ جس نے جو کچھ کہا ہے اگر اسکا شعر بجائے خود مکمل ہے اور اس میں محاسن شعری پائے جاتے ہیں تو اسے بُرا کہنے یا پست بنانے کا کسی کو حق نہیں۔

مکمل و نامکمل شعر

۱۔ جس شعر میں لفظوں کا ربط، بیان کا انداز اس کے مفہوم کو اس طرح واضح کردے کہ دماغ تھکان برداشت کئے بغیر شعر کا مفہوم اور اسکے تمام محاسن سمجھ لے۔ اور طبیعت اس سے لطف اندوز ہونے لگے کہ غایت شعری یہی ہے تو وہ شعر شاعر کی قدرت بیان کا مکمل نمونہ ہے اور جو شاعر اپنے ہر خیال کو اس طرح تکمیل کے ساتھ ادا کرنے پر قادر ہو وہ قادر الکلام کہے جانیکا بجا طور پر

مستحق ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ بہترین وہ شعر ہے کہ جس پر سخن فہم کو خود بھی کچھ غور کرنا پڑے یہ نہ ہو کہ شعر پڑھتے ہی اسکا مفہوم آسانی سے ذہن نشین ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر سخن فہم الفاظ شعر اور طرز ادا کے سہارے آگے بڑھاہے تو شعر بھی بہترین شعر اور سخن فہم بھی بہترین سخن فہم ہے اور اگر اپنے واہمہ کی خلاقی سے اس نے معنی آفرینی کی ہے تو شعر نامکمل اور سخن فہمی کا مدعی نکتہ رس نہیں بلکہ اوہام پرست ہے۔

غزل کی شاعری

تمام اصناف سخن میں غزل کی شاعری سب سے آسان ہے اور پھر غزل ہی کی شاعری سب سے زیادہ مشکل بھی ہے۔

آسان تو اس طرح ہے کہ اسکے اشعار کے لئے ربط و تسلسل ضروری نہیں سمجھا جاتا اور اتنا مواد موجود ہے اور کثرت کے ساتھ دیکھنے اور سننے میں آتا رہتا ہے کہ دماغ کو سوچنے کی تکلیف کم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس کثرت سے غزل گو موجود ہیں اس کے مقابلہ میں دوسری اصناف نظم سے تعلق رکھنے والے شعرا دو فیصدی بھی مشکل سے نظر آتے ہیں۔

اور پھر غزل ہی کی شاعری سب سے زیادہ مشکل بھی ہے وہ اس طرح کہ اگر شعر میں لفظ و معنی کے ساتھ مضمون بھی کہنہ اور فرسودہ ہے تو شاعری کی ملکیت کیا ٹھہری۔

شاعر کی ملکیت صرف وہی لطافت وہی نکتہ ہے جو اس نے کسی سے لیا نہ ہو بلکہ خود پیدا کیا ہو۔ اگرچہ بہت کچھ کہا جا چکا پھر بھی بہت کچھ موجود ہے۔ مگر کس کے لئے صرف اسکے لئے جو ان حقائق سے آگاہ ہے اور بچ کے چلنا چاہتا ہے، اس کے لئے نہیں جو ہر پرائی اور سنی ہوئی بات کو دماغ میں آجانے پر اپنی ملکیت خیال کر لیتا ہے۔ جو کچھ غزل میں ہے وہ کسی ایک صنف سخن میں نہیں اور جو کچھ تمام اصناف سخن میں ہے وہ سب کچھ صرف غزل میں ہے۔ لہٰذا جو غزل پر حاوی ہو گیا وہ ہر صنف سخن پر حاوی ہو سکتا ہے۔

خطابیہ

جو ماہِ کنعاں سے بھی ہے بڑھکر حسیں وہ یا مصطفےٰ تمہیں تو ہو
جہاں میں محبوب یوں ہزاروں مگر حبیبِ خدا تمہیں تو ہو

ادا سے صاحب ادا کو دیکھا۔ نہ شمع دیکھی ضیا کو دیکھا
جو تم کو دیکھا خدا کو دیکھا کہ نورِ پاکِ خدا تمہیں ہو

اُمیدواروں کا حوصلا بھی، گناہگاروں کا آسرا بھی
بشر بھی اور رحمتِ خدا بھی، جو کچھ ہو صلِّ علیٰ تمہیں ہو

وہ ذات ہی جسم سے منزہ۔ یہاں نہیں جسم کے ہے سایہ
جو کوئی بعد خدا ہے یکتا۔ وہ ایک نامِ خدا تمہیں ہو

پڑی ہے ایک اک کو اپنی اپنی انبیا ہیں بھی نفسی نفسی!
تمھیں کو اک رٹ ہے اُمّتی کی۔ شفیعِ روزِ جزا تمھیں ہو

ملے کعبہ کہ راہِ شوق میں بُت خانہ مل جائے
ملے جس راستہ سے بھی درِ جانانہ مل جائے

جو گلیاں ہوں مدینے کی جو تکیہ ہو ترے در پر
گدائی کرتے کرتے شوکتِ شاہانہ مل جائے

ترا جوشِ کرم کوثر لُٹا دیتا ہے اے ساقی
الٰہی آنکھوں کے قدِ امجد کو بھی اِک پیمانہ مل جائے

جو بے کوشش ملے وہ بھی خدا کی دین ہے زاہد
چلیں نیّت سے تو کعبہ کی اور بُت خانہ مل جائے

لگا کر آرزو بھی آس آیا ہے ترے در پر
نجاتِ آخرت کا اس کو بھی پروانہ مل جائے

---

۵۱ میں تکرارِ فعل کے وقت پہلی (دی) کا اسقاط جائز سمجھتا ہوں کہ بولنے میں یہ غلط ظاہر نہیں ہوتی (آزاد)

معصوم نظر کا بھولا پن للچا کے لبھانا کیا جانے
دل آپ نشانہ بنتا ہے وہ تیر لگانا کیا جانے

کہہ جاتی ہے کیا وہ چین جبیں یہ آج سمجھ سکتے ہیں کہیں
کچھ سیکھا ہو تو کام نہیں دل ناز اٹھانا کیا جانے

بٹکی جو کلی کوئل کو کی اُلفت کی کہانی ختم ہوئی
با کس نے کہی کیا کس نے سنی یہ بات زمانہ کیا جانے

نغاد یہ حرم میں کیا رکھا جس سمت گیا ٹکرا کے پھر
کس پردے کے پیچھے ہے شعلہ اندھا پروانہ کیا جانے

زوروں زدری عشق کی نئی فطرت ہے جس نے بدل ڈالی
جلتا ہوا دل ہو کر پانی آنسو بن جانا کیا جانے

سجدوں ہی پڑا پتھر میں گر رہا لیکن نہ مٹا ماتھے کا لکھا
کرنے کو غریب نے کیا نہ کیا تقدیر بنانا کیا جانے

آنکھوں کی اندھی خود غرضی کا ہے کو سمجھنے دیگی کبھی
نیند اُڑ لوٹے راتوں کی وہ خواب میں آنا کیا جانے

جس نالے سے دنیا بیکل ہے جلتے دل کی مشعل ہے
جو جہلاؤ کا خود نہ سہے وہ آگ لگانا کیا جانے

پتھر کی لکیر ہے نقش وفا آئینہ نہ جانو تلون کا
ہر لیا کرے رنگین شعلہ دل پلٹے کھانا کیا جانے

ہم آرزو آئے بیٹھے ہیں اور وہ شرمائے بیٹھے ہیں
مشتاقِ نظر گستاخ نہیں پردہ سرکانا کیا جانے

پیوں ابھی کیوں، جو بُرا جانوں اور چھپا کے پیوں
میں وہ نہیں کہ نگاہیں بچا بچا کے پیوں
مٹا دیئے ہیں سب احساس اُف رے ذوقِ شرا
سُرور کم نہ ہو ترشی بھی گر ملا کے پیو
گنہ پہ تہمتِ بے لذتی نہ رکھ زاہد
مزہ نہ آئے تو کیوں منھ بنا بنا کے پیوں
یہ تشنگیٔ شہادت کا اقتضا اب
کہ آبِ تیغِ ستم زہر میں بجھا کے پیو
گلے میں لگتی ہے افراطِ شوق سے پھانسی
پڑے نہ حلق میں پھندا تو ڈگڈگا کے پیوں
ہے ایک ساغرِ دل اور ہزار رنگ کی
نہ ہو جو گھر میں تو بازار سے منگا کے پیو
بھروسہ کر کے میں اپنے رحیم پر واعظ
مزہ تو جب ہو کہ تجھ کو جلا جلا کے پیوں
طلب سے عار ہو اتنی کہ پیاس اگر نہ

جگر کے خون کو پانی بنا بنا کے پیوں

شرابِ عشق کہ خود شہد سے ہے شیریں تر
جو تلخ بھی ہو تو ہرگز نہ منہ بنا کے پیوں

نگاہِ شوق مری روح کھینچ لیتی ہے
نہیں وہ رند کہ ساغر سے منہ لگا کے پیوں

وہ شے کہ جس سے نگاہوں کو رشک، دل کو سرور
چھپا چھپا کے اُنڈیلوں دکھا دکھا کے پیوں

گنا ہگار سہی، چوُریں نہیں زاہد
ہے یہ بھی کفر کہ کعبے سے منہ پھرا کے پیوں

نہ رند تنگ نظر آرزو نہ تنہا خور
جو زہر بھی ہو میسّر تو میں پلا کے پیوں

ستم بھی تمہارے کرم بھی تمہارے
اُس کو پکارے ستم کش، تو کس کو پکارے

محبّت میں اتنا تو بن لے سہارے
کہ جو خود بگاڑے وہی پھر سنوارے

ٹپکتے ہوئے اشکِ حسرت ہمارے
سمجھ لو مقدر کے ٹوٹے ستارے

زباں پر خموشی نظر سے اشارے
جو یوں چوٹ کھائے وہ کس کو پکارے

کبھی گھٹے گھٹے جو لی سانس لمبی
نکلنے لگے جلتے دل کے شرارے

نہیں پھر ہے کاہے کی گر ہاں نہیں ہے
اِس انکار سے ہو گئے تم ہمارے

زمانے کی کروٹ بدل دیگی ساحل
چلا چل چلا چل کنارے کنارے

غرض اِلتجا سے نہ شکوے سے مطلب
بس اب میں ہوں اور میرے ٹوٹے سہارے

مٹوں گا، مگر ان کو مٹنے نہ دوں گا
یہ نقشِ محبّت جو ہیں پیارے پیارے

جو حیرت سے تکتے ہیں ان تو پوچھیں
گذرتی ہے کیا تجھ پہ آفت کی مارے

نظر اُس نے بدلی جو دل کو لبھا کر
بیچارا اُٹھی قسمت بُری ہار ہارے

ملے بھی کہیں وہ، تو اِتنا نہ پوچھا
کہ پھرتے ہو کیوں آرزو کے مارے

جنوں اور سعیٔ خودداری کہ توبہ
ہوئی خواری بھی وہ خواری کہ توبہ

جھکی ہیں گردنیں اٹھتا نہیں ہاتھ
یہ ہے نازِ ستم گاری کہ توبہ

نگاہیں اِس قدر قاتل کہ اُف اُف
ادائیں اِس قدر پیاری کہ توبہ

جوانی عمر کی پاکیزہ نعمت
اور اُس پر یہ سیہ کاری کہ توبہ

خموشی میں نہ چھیڑو دل جلے کو
اُڑے گی ایسی چنگاری کہ توبہ

وفا نا آشنا سے عذر وفا کی
لگی ہے ایسی بیماری کہ توبہ

نہ تھا آسان استحقاقِ رحمت
مرا ذوقِ گنہگاری کہ توبہ

نظر ملتے ہی ساقی کی نظر سے
چلی خود کہہ کے ہشیاری کہ توبہ

چمن رنگیں فضا دلکش ہوا مست
ہے اب کے ایسی تیاری کہ توبہ

یہ دو جام آرزو دو میکدے ہیں
اُن آنکھوں کی ہے سرشاری کہ توبہ

آنے میں جھجک، ملنے میں حیا، تم اور کہیں ہم اور کہیں
اب عہدِ وفا ٹوٹا کہ رہا، تم اور کہیں ہم اور کہیں

ہے آپ خوشی سے ایک اِدھر، کچھ کھویا ہوا سا ایک اُدھر
ظاہر میں بہم، باطن میں جُدا، تم اور کہیں ہم اور کہیں

آئے تو خوشامد سے آئے۔ بیٹھے تو مروّت سے بیٹھے
ملنا ہی یہ کیا جب دل نہ ملا۔ تم اور کہیں ہم اور کہیں

وعدہ بھی کیا تو کی نہ وفا، آتا ہے تمہیں چرکوں ہی مزا
چھوڑو بھی یہ ضد، لطف اس میں ہے کیا تم اور کہیں ہم اور کہیں

برگشتہ نصیب کا یوں ہونا، سونا بھی تو اک کروٹ سونا
کب تک یہ جدائی کا رونا۔۔ تم اور کہیں ہم اور کہیں

دل ملنے پہ بھی پہلو نہ ملا، دشمن تو بغل ہی میں ہے چھپا
قاتل ہے محبت کی یہ حیا، تم اور کہیں ہم اور کہیں

یکسوئیِ دل مرغوب ہمیں، بربادیِ دل مطلوب تمہیں
اس ضد کا ہے اور انجام ہی کیا، تم اور کہیں ہم اور کہیں

ہے دل سے اگر قائم رشتہ، تو دور و قربت کی بحث ہی کیا
ہے یہ بھی نگاہوں کا دھوکا، تم اور کہیں ہم اور کہیں

سن رکھو قبل عہد وفا قول آرزو شیدائی کا
جنت بھی ہے دوزخ گر یہ ہوا تم اور کہیں ہم اور کہیں

اے جذبِ محبت تو ہی بتا کیونکر نہ اثر لے دل ہی تو ہے
سیدھی بھی چھری، ٹیڑھی بھی چھری، دلدوز نظر قاتل ہی تو ہے

جب ہوک اٹھیگی تڑپیگا۔ انصاف نہ چھوڑو دل ہی تو ہے
تا چند تھکن کا صبر و سکوں، بسمل آخر بسمل ہی تو ہے

ناخوش ہی تو کیا ہر خوش ہے تو کیا۔ جیسا بھی سہی ہے تو اَپنا
یہ ساتھ نہیں چُھٹنے والا اب کس کا سہارا دل ہی تو ہو

طوفان بلا کی موجوں میں، کیں بند آنکھیں اور پھاند پڑے
کشتی نے جہاں ٹکر کھائی۔ دل بول اُٹھا ساحل ہی تو ہو

ہے ظرف یہاں کس کا کتنا۔ دل ہے بس اسی کا پیمانا
رونا بھی بُرا ہنسنا بھی بُرا۔ جو بات ہے وہ مشکل ہی تو ہو

ہیں موت کے اس جینے میں مزے، غم جس کو نہ ہو وہ کیا سمجھے
جب ثابت کرتے بن نہ پڑے۔ جو دعویٰ ہے باطل ہی تو ہو

دُکھڑے کے اپنے دینا کیا فریاد نتیجہ ہے غم کا
جب ٹھیس لگی شیشہ ٹھنکا۔ پتھر نہ سمجھے دل ہی تو ہو

تھی خضر طریق اُفتاد یہاں اور رنگ حوادث سنگ نشان
حد راہ طلب کی آ گئی ہاں۔ جانا ہو کہاں منزل ہی تو ہو

آپ آرزو اب خاموش رہیں، کچھ اچھی بُری کھل کر نہ کہیں
ہیں جتنے منہ اُتنی باتیں، محفل آخر محفل ہی تو ہو

تھے دل کے خرابے میں، کتنے یہ نہاں جانے
اِک جامِ شکستہ کے سو بن گئے پیمانے

اِس چھیڑ میں بنتے ہیں ہشیار بھی دیوانے
لہرایا جہاں شعلہ اندھے ہوئے پروانے

اِس گیسوئے پیماں کی زنجیر ہے کیا دلکش
خود شوقِ اسیری میں دوڑ آتے ہیں دیوانے

ایک آہ دُکھے دل کی فہرستِ مصیبت تھی
دو حرف میں کہہ گذرا ہیں سینکڑوں افسانے

پامالِ ستم کرنا شیوہ ہے زمانے کا
یکساں ہیں مرے حق میں، اپنے ہوں کہ بیگانے

ہلکا تھا ندامت سے سرمایہ عبادت کا
اِک قطرے میں بہہ نکلے تسبیح کے سو دانے

تھا حُسنِ مجازی بھی، آئینہ حقیقت کا
فانوس کے شیشوں سے ٹکرا گئے پروانے

تخریب پہ قائم ہیں تعمیر کی بُنیادیں
ویرانئ دل ہی سے آباد ہیں ویرانے

ہر ٹوٹے ہوئے دل کی ڈھارس ہے نزاو عذ
جُڑتے ہیں اِسی مے سے درکے ہوئے پیمانے

رُسوائیِ عصیاں کا پردہ وہی رکھے گا!
خود چاک گریباں کا بستے نہیں دیوانے
اے آرزو اب تک ہے موجود خُماران کا
جاگی ہوئی آنکھوں میں جو شب کے ہیں افسانے

چھُری چتون، ادا خونی، نگاہِ نازِ قاتل ہو
اسے وہ کیا کرے جس کا ہر اک اندازِ قاتل ہو
نظر کے پار ہوتی ہو نظر سیدھی ہو یا ترچھی
نہیں بچنا نشانہ کیا قدر اندازِ قاتل ہو
رسیلی بانسری کانوں میں تو ٹپکائے جا امرت
اسے کہنے دے جو کہتا ہے یہ آوازِ قاتل ہو
مزہ آتا ہو مرنے میں جسے بانکی اداؤں پر
جو سچ پوچھو تو خود اپنا وہی جانبازِ قاتل ہو
دلِ زخمی کے آئینہ میں جب صورت نظر آئی
تو سمجھا آپ بھی قاتل کہ میرا نازِ قاتل ہو
اُبی تلوار بن بیٹھی جوانی باڑھ پر آ کر
غضب ڈھائیگا کیا انجام جب آغازِ قاتل ہو
وہ خونِ آرزو پر بھی بُری ہے خونِ ناحق سے
جو قاتل خود نہ یہ جانے کہ میرا نازِ قاتل ہو

محو دل سے جو باوفا نہ ہوا — مر گیا مٹ گیا فنا نہ ہوا

نہ خوشی ہے خوشی نہ رنج ہے رنج — دل اگر لذّت آشنا نہ ہوا

سمتِ منزل سو بے نیاز ہے شوق — منھ جدھر اُٹھ گیا روانہ ہوا

غم کی لذّت خوشی سے بڑھ کر ہے — جو بُرا بھی ہوا بُرا نہ ہوا

دلِ صد مدّعائے بے مصرف — کوئی قارون کا خزانہ ہوا

کھینچتا وہ کمر سے کیوں تلوار — دل ہی جب ہمّت آزمانہ ہوا

کیوں گوارا نہ ہو کر اس کا سخن — تلخ ہو کر بھی بے مزا نہ ہوا

جیسے میرے ہی دل کا تھا ارماں — تیرا وعدہ کہ جو وفا نہ ہوا

ظلم پر ناز عذر کے بدلے — شکرِ نعمت ہوا گِلا نہ ہوا

غم کا شکوہ کہ جس کی تاب نہیں — شکر ہے میرا مدّعا نہ ہوا

جس میں عفوِ گناہ کی نہ ہو خو — وہ تو بندہ ہوا خدا نہ ہوا

آرزو ننگِ زیست ہے وہ نفس
نالہ بن کر بھی جو رسا نہ ہوا

کسی گمان ویقیں کی حد میں وہ شوخ پردہ نشیں ہے
جہاں نہ سمجھو اسی جگہ ہے۔ جہاں سمجھ لو وہیں نہیں ہے

تمہارا وعدہ ہے کیسا وعدہ، کہ دل کو جس کا یقیں نہیں ہے
نگین بے نقش تو ہزاروں۔ یہ نقش ہے اور نگیں نہیں ہے

تلوّن اک جزر و مد ہی خود ہی تھپیڑوں میں آ پھنسی ہے کشتی
خبر ہی مدت کے ڈوبے دل کی۔ کہ آج تک تہ نشیں نہیں ہے

یہ کہتی ہے گردش زمانہ، قدم تھمیں گے نہ اب کسی جا
ہے یہ بھی اک آسماں کا ٹکڑا۔ تری گلی کی زمیں نہیں ہے

وفا کی حامی حمیّت ان کی، حریف اُمید غیرت ان کی
نگاہیں اقرار کر رہی ہیں۔ زباں پہ لیکن نہیں نہیں ہے

تصوّروں کے فریب کھا کر مشاہدہ وہم بن رہا ہے
نظر نے کھائے ہیں اتنے دھوکے کہ دیکھ کر بھی یقیں نہیں ہے

سر شک خونیں کا کل فسانہ، لپیٹ رکھا ہو اک ورق میں
نچوڑنے پر لہو نہ ٹپکے۔ تو آستیں آستیں نہیں ہے

ہوا جو اک دل کا داغ روشن۔ تو ہو گئے کُل چراغ روشن
خیال روشن دماغ روشن۔ بس اب اندھیرا کہیں نہیں ہے

مجھی پہ کیا ہی نہیں ہے کس میں۔ یہ بُت تراشی بُت پرستی
اگر نہ حسن نظر سے تو کوئی بھی پھر حسیں نہیں ہے

ہماری ناکامیٔ وفا نے زمانے کی کھول دی ہیں آنکھیں
چراغ کب کا بجھا پڑا ہے۔ مگر اندھیرا کہیں نہیں ہے
رہِ اطاعت میں آرزو نے قدم قدم پر کئے ہیں سجدے
جو آپ کا نقشِ پا نہیں ہے۔ وہ اس کا نقشِ جبیں نہیں ہے

عشق میں گھٹ کے رہے دل کو یہ منظور نہیں
اب جو گھر ہی سے لگے آگ تو کچھ دور نہیں
بے طلب ایک قدم بڑھنے کا مقدور نہیں
پاؤں بے کار ہیں جانا تو بہت دور نہیں
اللہ اللہ مری خاکسترِ دل کی گرمی
کونسا ذرّہ ہے جو برقِ سرِ طور نہیں
ہنس رہے ہیں سمِ قاتل کو بتا کر تریاق
اپنا کام اور کو دیں یہ انھیں منظور نہیں
دل میں پھر سوتے ہوئے درد نے بدلی کروٹ
جاتے جاتے وہ پلٹ آئیں تو کچھ دور نہیں
اور مرگِ دلِ ناکام کا ہے کون سا وقت
اس کے لب پر بھی ہے افسوس جو مجبور نہیں
پھر ہے کیا اے مری محرومیٔ دیدار یہ راز

وہ بھی پردے میں نہیں آنکھ بھی بے نور نہیں
کس سہارے پہ اُٹھے پائے شکستہ سے نظر!
نقش حسرت ہے وہ منزل کہ جواب دور نہیں
ہے محبّت کا ہر آزار بصیرت افروز
یہ بھی اک دیدۂ نمناک ہے ناسُور نہیں
حسن آباد میں ہر گام ہے اک دل درکار
میں غریب ہوں اور یہاں قرض کا دستور نہیں
آرزو چھن رہی ہے مفت وہ آزادئ دل
جس کا دینا کسی قیمت پہ بھی منظور نہیں

شکوہ مند اور رہے جب یہ کوئی دستور نہیں
تم سے مجبور رہوں میں ، بات سے مجبور نہیں
تیرا خدا حال خوشی دل سے بھی مجبور نہیں
اب وہ منظور رہے سب کچھ کہ جو منظور نہیں
ذرّے ذرّے میں تڑپ آج بھی ہے بجلی کی
سرد کیا ہو یہ ہے خاکستر دل طور نہیں
راہ میں تھک کے گرا ختم ہوئی حدِّ تلاش
خود وہ اب دوڑے چلے آئیں تو کچھ دور نہیں

دیکھے دیکھے ترے آئینِ حکومت اے حُسن
ظلم کی رسم تو ہے رحم کا دستور نہیں

داخلِ طینتِ انسان ہے محبّت کا گناہ
کچھ فرشتہ ہیں نہیں اور وہ بُتِ حور نہیں

بیخودی کے ہے منافی یہی احساسِ خودی
لائقِ عفو انانیّت منصور نہیں

تو نے اُو عہد شکن کی ہے وہ ہمت شکنی
اب تسلّی کے بھی قابل دلِ رنجور نہیں

ہو کے بیہوش نہ آ ہوش میں اے بیخودِ شوق
دیکھ وہ دور ہوا جاتا ہے جو دور نہیں

جلوۂ لامتناہی کا تعیّن کیسا
ہے نظر میں وہ تجلّی کہ سرِ طور نہیں

آرزو عاشقی اور دادِ وفا چُپ بھی رہو
ان کو منظور بھی ہو تو ہمیں منظور نہیں

ہَوا خلاف چلی رنگ بوستاں بدلا
سبھی بدل سے گئے جب دَورِ آسماں بدلا

نہ بھائی بھائی میں اُلفت نہ باپ بیٹے میں
اک انقلاب طبیعت میں کُل جہاں بدلا

ہزار بار مخالف ہوا کے رُخ پلٹے
ہزار مرتبہ کشتی کا بادباں بدلا

بگاڑ ہونے پہ بھی ہے وہی لگک باقی
نظر بدل گئی لیکن اثر کہاں بدلا

سماں بدلتا رہا انقلاب آتے رہے
نہ یہ زمیں ہی بدلی نہ آسماں بدلا

اب اس تغیّر حالت کی کوفت کیا کہیے
جھٹلانے لگے تم تو جہاں بیاں بدلا

اِک انقلاب تھا آنا ضرور اُلفت میں
ترا مزاج نہ بدلا مرا گماں بدلا

انھیں کے ڈر سے ہیں بربادیاں جو ساتھ اب تک
کہاں کہاں نہ گلستاں میں آشیاں بدلا

چمن وہی ہے تو آخر وہ دلکشی ہوئی کیا
نظر کا ذوق یہ بدلا ہے یا سماں بدلا

او ااگرچہ بنا دسٹ کی پائیدار نہ تھی
بھلا دے پڑنے لگے راہ کا نشاں بدلا

اب آشیاں سے نہ ہے آرزو چمن سے غرض
مزاج نازک گلچین و باغباں بدلا

عشق آئینِ ناز کیا جانے
بیخودی امتیاز کیا جانے

نازنیں جور ناز کیا جانے
اک چھری امتیاز کیا جانے

آہ دردِ شکستِ شیشۂ شوق
عشوۂ حیلہ ساز کیا جانے

کیف آشوب آفریں کے ستم
نرگسِ نیم باز کیا جانے

میری وضعِ جنوں نوازی نشان
سوزنِ بخیہ ساز کیا جانے

اس سے امیدِ لطف کیا معنے
ناز طرزِ نیاز کیا جانے

حسن توبہ شکن کا دامِ فریب
نگہِ پاکباز کیا جانے

رکھ دے جو خود گموں پہ تہمتِ ناز
رمز اہلِ نیاز کیا جانے

نگاہیں تاڑنے والوں کی بنتی ہیں زباں میری
میں بولوں یا نہ بولوں ہو رہی ہے داستاں میری

نہیں لائق بیاں کے شدّتِ دردِ نہاں میری
جو کھوئے اعتبار اپنا کہے وہ داستاں میری

اچانک آنکھ اک ساقی سے لڑ جانا قیامت تھا
زبانِ حسنِ طلب کی بن گئیں انگڑائیاں میری

زمانہ دم بخود ہے خاک کے پتلے کی ہمّت پر
وہ اقرار وفا کی سختیاں اور اُس پہ ہاں میری

دیارِ شوق میں ہر ہر قدم پھندوں پہ پھندے ہیں
پھنسائینگی کسی آفت میں یہ آزادیاں میری

پیامِ شوق کہدیتے مگر کہنا ہے لاحاصل
کہاں سے آئے گی تا قاصد ترے منھ میں زباں میری

اُمنڈ آیا ہے دل اب چپ رہوں یہ ہو نہیں سکتا
رُکا نالہ تو تانتا باندھ دیں گی ہچکیاں میری

بھروسہ کیوں شکستہ بال کے جھوٹے سہارے پر
نہ یہ ہوتا تو ہو جاتی پہونچ تا آسماں میری

ستم سہہ کر جو چپ ہوں انتظار اس دن کا ہے مجھکو
کہ جس دن ہوگی قسمت سے زباں تیری فغاں میری

یہ سن رکھ بے وفا عہدِ وفا کس طرح ٹوٹے گا
چھٹالی جائے گی ہر بات پر سچی زباں میری

انہیں دونوں نے مل کر دونوں عالم کو بسایا ہے
شعاعیں حُسن کی تیری ہیں اور پرچھائیاں میری

جہاں میں آرزو ناکامیابی کی بھی اِک حد ہے
بڑھے گا حوصلہ جو سعی ہوگی رائگاں میری

قربت بڑھا بڑھا کے بیخود بنا رہے ہیں — میں دور ہٹ رہا ہوں وہ پاس آ رہے ہیں
وہ دل سے غم بھُلا کر دل کو لبھا رہے ہیں — گذرے ہوئے زمانے پھر پھر کے آ رہے ہیں
اعجازِ پاکبازی حیرت میں لا رہے ہیں — دل مل گیا ہے دل سے پہلو جدا رہے ہیں
سینے میں ضبطِ غم سے چھالا ابھر رہا ہے — شعلے کو بند کر کے پانی بنا رہے ہیں
چوتھے فلک پہ کوئی۔ عرشِ بریں پہ کوئی — اُن تک پہونچنے والے زینے بنا رہے ہیں
اے بیخودی کہاں ہے جلدی مری خبر لے — بھولے تھے جو مشکل پھر یاد آ رہے ہیں
معنی نہ پوچھ ظالم اس عذرِ بے گنہ کے — اپنے کو اُول دے کر تجھ کو بچا رہے ہیں
فرقت میں سازِ راحت سامانِ غم اب کلا ہی — ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کیا جی جلا رہے ہیں
لیں کام ضبط سے کیا اُلٹا ہے دل کا پھوڑا — اُتنا اُبھر رہا ہے جتنا دبا رہے ہیں
ہیں حسن کے کرشمے کیسا انقلاب آگئیں — غمخوار جو تھے کل تک اب خار کھا رہے ہیں
خود ان کی جستجو میں ہم دور بھاگے ورنہ — وہ کب الگ رہے ہیں وہ کب جدا رہے ہیں

لے لگے ٹھنڈی سانسیں پوچھو نہ حال دیکھو   تم بھید کھولتے ہو اور ہم چھپا رہے ہیں

دیکھ آرزو یہ رونا شانہ ہلا ہلا کر
تو آج خواب میں ہے اور رو جگا رہے ہیں

اپنے نہیں سب خرمنِ تدبیر کے دانے
کچھ ان میں ہیں برقِ تجلی کی بھی تقدیر کے دانے

احسان یہ اس کا ہے اگر جمع کئے ہیں
خرمن میں مرے اوروں کی تقدیر کے دانے

میرا دا اسیری کا وظیفہ ہے انھیں پر
تسبیح کے دانے ہیں یہ زنجیر کے دانے

چپ ہو کے جو بیٹھا تو ابھر آئے زباں پر
آہ دلِ پُرسوز کی تاثیر کے دانے

منھ سیپ کا دیکھ آرزو اور کھولدے یہ راز
پانی سے بھی مل جاتے ہیں تقدیر کے دانے

کہتے ہیں سمجھ کر مری زنجیر کے دانے
جا ڈھونڈھ جہاں ہوں تری تقدیر کے دانے

کچھ حد ہے شکم پروری اہلِ ہوس کی
لے لیتے ہیں منھ سیب کا بھی چیر کے دانے

ایذا میں ہیں آسودگیٔ غم کا سہارا
اشکوں کے گہر جرم کی تقدیر کے دانے

بجلی سے جلے کشت کہ خرمن میں لگے آگ
وہ جا نہیں سکتے جو ہیں تقدیر کے دانے

بے جان غم پرورش جاں سے ہے آزاد
ہیں پاس کہاں طائرِ تصویر کے دانے

ہو جائے گا اندازہ میعادِ اسیری
گھِستے ہی چلے جاتے ہیں زنجیر کے دانے

اے آرزو ایسی نہیں ہر کاوشِ ناخن
کچھ مغز فراہم جو کرے چیر کے دانے

جو ڈرتے ہیں فریبِ شوق کے سوزِ نہانی سے
وہ پیاس اپنی بجھاتے بھی ہیں گر، تو گرم پانی سے

کہاں وہ لطف اب تو دُکھ ہی دُکھ ہیں زندگانی سے
جو بس چلتا تو کچھ رکھ چھوڑتے لے کر جوانی سے

اجل برحق، مگر کب، ہے یہی اِک بات اُلجھن کی
سوا ہے تلخ بیمِ مرگ، مرگِ ناگہانی سے

مزہ جینے کا ہے اے خضر مرنے میں حسینوں پر!
جیئے یُوں کیوں، جو اُکتا جائے طولِ زندگانی سے

نہ گرتا آنکھ سے آنسو نہ ہوتا اشتعال ان کو
مگر کیونکر سمجھتے آگ لگ اُٹھے گی پانی سے

کہا یُوں کشتۂ حسرت کا فسانہ اشکِ خونیں نے
زبانیں لال ہو جاتی ہیں جس رنگیں بیانی سے

تعب ضبطِ محبّت کا ہے معنی خیز کچھ ایسا
خموشی باتیں کرنا سیکھ جائے جس کہانی سے

بلائیں سینکڑوں اور ہر بلا کا ہے تدارک بھی
جو مُہلت ہی نہ دے کیونکر بچیں اس ناگہانی سے

نہ سمجھا یہ بھی بڑھتا شوق جھوٹی گرم جوشی میں
دھواں اُٹھ اُٹھ کے دُھوئے دیر لا ہے سرد پانی سے

وہ ناکامِ تمنّا آرزو ناکام ہی کب ہے
جو اپنے دل کو خوش رکھتا ہو اس کی شادمانی سے

اُٹھا کے غم آرزوئے غم کیوں، اسے دلِ مبتلا ہی جانے
ہے عقل بیکار بندہ عاجز، خُدا کی باتیں خُدا ہی جانے
غریب ناصح اسے کرے کیا۔ اگر نصیحت سے ضد ہو پیدا
دوا کو جانے طبیب لیکن۔ اثر کو اپنے دوا ہی جانے
سمجھ تو لے کوئی اپنا شیدا۔ کرم نہ ہوگا سِتم تو ہوگا
نہ جاننے سے یہ پھر بھی اچھا۔ بھلا نہ سمجھے بُرا ہی جانے
اُمیدِ عفوِ قصور کرکے قصور روا اور بن گیا ہوں
کوئی اسے خوش کرے تو کیونکر، جو عذر کو بھی خطا ہی جانے

چُپ جو ہوں فکر و غور ہی یہ بھی
اِک تسلّی کا طور ہے یہ بھی
خوگرِ غم کو رحم سے کیا کام
سچ جو پوچھو تو جَور ہے یہ بھی
نہ خوشی ہی خوشی، نہ رنج ہے رنج
عمر کا ایک دَور ہے یہ بھی
آپ اپنے سے برہمی کیسی
میں نہیں کوئی اور ہے یہ بھی

جتنا تھا سرگرمِ کار اُتنا ہی دل ناکام تھا
ہوش جس کا نام تھا وہ بھی جنونِ خام تھا

لذّتِ دردِ محبّت تو نے کھو دی چارہ ساز
چین کس کا فر کو اب ہے پہلے ہی آرام تھا

ہوش کا ضامن تھا ساقی کیف پرور دل کا شوق
جام تھا پاس اور بے اندیشۂ انجام تھا

ختم کرتی جلد کیونکر زیست کی منزل کو سانس
پھیر کوسوں کا تھا لیکن فاصلہ اک گام تھا

جوشِ شوریدہ سری تھا تا بہ وہمِ اختیار
تھک کے دم ٹوٹا تو پھر آرام ہی آرام تھا

اب کہاں وہ آمد و رفت نفس کی تنا ہر اہ
اک کشاکش تھی کہ جس کا زندگانی نام تھا

چونک کر خود منظرِ ہستی سے آنکھیں پھیر لیں
ہچکیاں کا ہے کو تھیں پوشیدہ اک پیغام تھا

گل ہوا آخر بھڑک کر شعلۂ جوشِ شباب
تھی کفِ موجِ حوادث اور چراغِ شام تھا

بے جلے کس طرح بنتا شمع پروانے کا دل!
وہ اسے انجام کیا دیتے جو میرا کام تھا

تم نے خود ناکام رکھکر اس کی ہمّت کی تھی پست
آرزوئے بے گنہ پر مفت کا اِلزام تھا

مرا حیران رہ جانا ترا مستور ہو جانا
نظر کا نور بنتے ہی نظر سے دور ہو جانا

نثارِ جرمِ حق گوئی سزا میں ہے جزا پنہاں
پہونچنا تا بہ نوکِ دار اور منصور ہو جانا

خراشِ ناخنِ وحشت کی چوٹیں تھیں بڑی گہری
نشاں سے زخم بننا زخم سے ناسُور ہو جانا

جہانِ رنگ و بُو کے انقلابوں کو نہ کچھ پوچھو
انھیں بالوں سے سیکھا مُشک نے کافور ہو جانا

مری اُلفت بھری نظروں کا عذرِ بے سبب پیہم
اور ان کا بازپُرسِ جُرم پر مجبور ہو جانا

انھیں کا ہے یہ پرتو ورنہ اپنی حد سے کیا بڑھنا
زمیں کا عرش بننا ہے مرا مغرور ہو جانا

غمِ فرقت سفیدی پر سیاہی پھیر دیتا ہے
غضب ہے روزِ روشن کا شبِ دیجور ہو جانا

پھریں گے اب قیامت تک گریباں چاک دیوانے

جو کچھ کر بیٹھنا میرا وہی دستور ہو جانا

محبت کی کرامت قوتِ الہام رکھتی ہے
نہ آنا تا بہ لب جو بات وہ مشہور ہو جانا

ذرا تکمیل سوزِ عشق ہو لے پھر دکھا دونگا
پتنگا دل سے اُڑنا اور چراغِ طور ہو جانا

فشارِ ضبطِ غم کی انتہائے آرزو یہ ہے
بغل میں دبتے دبتے شیشۂ دل چور ہو جانا

سب جس پہ مر مٹے وہ کسی کا کہاں ہوا
آپس کی لاگ ڈانٹ میں سوداگراں ہوا

بل تیوریوں کا ظلمِ نہاں کی زباں ہوا
خود اس نے کہہ دیا جو نہ مجھ سے بیاں ہوا

حسنِ ازل میں پہلے بھی کوئی کمی نہ تھی
ہم قدرداں بنے تو یہ سوداگراں ہوا

تبدیلیاں ہیں موجوں کی نیرنگ ہست و بود
پیدا مٹے نشاں سے ہوا جو نشاں ہوا

تھے شوق کے ہجوم میں اِک بولی چار کام
اُلجھی زباں یوں کہ نہ کچھ بھی بیاں ہوا

معنی وہاں نگاہ بدلنے کے کچھ نہ تھے
نکلا غلط ہی اپنی جگہ جو گماں ہوا

اِک حرفِ شوق کہنے میں اِتنی طوالتیں
پھر ناتمام چھوٹ گیا پھر بیاں ہوا

اُس روز دیکھئے گا وہ جس روز مل گئے
سب جمع ہو رہا ہے جو کچھ رائگاں ہوا

یہ بات تو نہیں ہے کہ منھ میں زباں نہیں
ہیں خود زبان دے کے انھیں بے زباں ہوا

ہو خاک دل میں سوزِ دروں اب بھی مثلِ راز
نکلی کبھی نہ آنچ نہ پیدا دھواں ہوا

اُو نازِ حُسن تو ہی بتا، مجھ سے کچھ نہ پوچھ
خود گُم کو کیا خبر ہے کہ وہ گُم کہاں ہوا

بعدِ نیاز و ناز بھی نظریں اُداس ہیں
باتیں تو دیر تک ہوئیں سودا کہاں ہوا

یُوں درس گاہِ شوق کے بدلا کئے نصاب
کچھ دن جہاں گذر گئے پھر امتحاں ہوا

عالم شکار گاہ ہے خوں ریز نازِ حُسن
اس تیر کا نشانہ بنا جو جواں ہوا

خاشاکِ باغ بھی نہیں بیکارِ آرزو
دو چار تنکے جُڑ گئے اِک آشیاں ہوا

رفعِ حجابِ رُخ کے بعد جلوہ پھر اک حجاب ہے
اُف یہ جھُکی ہوئی نظر غیرتِ صد نقاب ہے
حُسن بھی اک شراب ہے، عشق بھی اک شراب ہے
جسمیں یہ دونوں ایک ہوں وہ وہ کامیاب ہے
سرخیٔ چشمِ اشکبار، آتش زیرِ آب ہے!
جوششِ غم میں جان وار، ہی دل کباب ہے
ذوق اگر ہے پائیدار، جذب ہے روکشِ بہار
منظرِ کائنات کو یہ نہ سمجھ کہ خواب ہے
ایک تسلسلِ بیاں، جو کہیں ختم ہی نہیں
میری کتابِ شوق میں فصل نہ ہے نہ باب ہے
دل کا حقیر آبگینہ وہ بھی شکستہ و خراب
عشق کی کائنات ہے حسن کا انتخاب ہے
نزہتِ رنگ و بوئے گُل ہے وہ طلسم در طلسم
جس کی کتابِ حسن کا ہر ورق اک کتاب ہے
طالبِ راحت و سکوں موت نہ اپنے منھ سے مانگئے

برق و شرر سے پوچھ دیکھ زندگی اضطراب ہے

دیکھ کے تیرا پیچ و تاب، ہاں یہی دل کا اضطراب
ایک طرف سوال ہے ایک طرف جواب ہے

کشمکشِ حیات و موت جزر و مد اُمیّد و بیم
رُخ پہ ہو لگے رکھ نظر یہ نفس انقلاب ہے

لطفِ خلش تو اب کجا، ذوقِ خلش بھی مٹ چکا
دردِ جگر سے کیا گیا۔ حالتِ دل خراب ہے

اے نگہِ عتاب بس ردِّ عمل تو ہو گیا
خوفِ عذاب جینے جی جان کو اک عذاب ہے

ناز تلوّن مزاج ہونے نہ دے گا کامیاب
درس گہِ نیاز میں روز نئی کتاب ہے

ہو نہ ہلاک جستجو، پیاس کو مار آرزو
آنہ فریبِ شوق میں، آب نہیں سراب ہے

ندرتِ فکر آرزو اس پہ یہ قدرتِ بیاں
صبح میں ہے سوادِ شام شب نہیں شباب ہے

سوادِ منزلِ موہوم گردِ راہ کی ہے
فضا میں جلوۂ رنگیں شکن نگاہ کی ہے

نہ کوئی حرفِ شکایت نہ کوئی کلمۂ شوق
جگر سے تا بہ زباں اک لکیر آہ کی ہے

کریگا کون تمنّائے دورۂ تعزیر
بہت بڑھی ہوئی ہمّت مرے گناہ کی ہے

نظر ہے رُخ کے تغیّر پہ بعدِ پرسشِ حال
قلم نصیب کا اب تو زباں گواہ کی ہے

خودی مٹا تو نظر آئے شاہدِ مقصود
جو کچھ ہے آڑ اسی پردۂ سیاہ کی ہے

پڑے ہیں آنکھوں پہ جوشِ شباب میں پردے
اندھیری رات میں گل روشنی بھی راہ کی ہے

فریب خوردہ دل اس کا تو فیصلہ کر لے
یہ نورِ حُسن ہے یا روشنی نگاہ کی ہے

نہ زہد میں نگہِ امتیاز کیا دیکھے
یہاں تو ایک ہی صورت گدا و شاہ کی ہے

حِنا سے پوچھ نشاں آرزو شہیدوں کا
جھلک لہو کی بھی سبزی میں اس گیاہ کی ہے

رُکے جفا سے جو وہ، آپ چھیڑ کی میں نے
مصیبتوں کو بنایا ہے دل لگی میں نے

فدائے حُسن کو دنیا میں اور کام ہے کیا
تمھیں پہ مرنے کو مانگی ہے زندگی میں نے

ہجوم غم سے بھی تھی اک چہل پہل دل میں
بُرا کیا، جو یہ بستی اُجاڑ دی میں نے

وہاں تو جام بڑھا کر فقط تھا ڈھکانا
یہاں اُمیدیں تو یہ ہی توڑ دی میں نے

بیان درد کی تصدیق اس نے چاہی تھی
کچھ اشک پیش کیے ہیں خوشی خوشی میں نے

میں شک مٹانے کا درپے اور اُسے بھی شک
کہ ایک بات کہی کیوں گھڑی گھڑی میں نے

خبر نہ تھی کہ ہے فرقت کا دن بھی تیرہ و تار
اُمید صبح میں گل کی تھی روشنی میں نے

جواب اُس کا بھی چتون میں اس کی ہے موجود
جو دل میں آ تو گئی تھی کہی نہ تھی میں نے

عنایتیں ہیں تمھاری، اِنھیں تمھیں جانو
نہ موت مانگی تھی میں نے نہ زندگی میں نے

تعلقات یہیں تک تھے بزمِ ہستی کے
اٹھا تو گرد بھی دامن سے جھاڑ دی میں نے

حریفِ عشق کوئی بوالہوس بنے گا نہ اب
وہ ناز اٹھائے کہ عادت بگاڑ دی میں نے

سلوک دل کے اسی سے ہیں آرزو ظاہر
کہ کھو گیا تو کبھی جستجو نہ کی میں نے

کرم اس کا خود ہے بڑھ کر مری حدِ التجا سے
مجھے سوئے ظن نہیں ہے کہ دعا کروں خدا سے
دلِ مطمئن کی وسعت کوئی کم ہے ماسوا سے
مجھے کا ہے کی کمی ہے جو طلب کروں خدا سے
کہے کون اسے پتنگا جو ہے شعلہ پر دھواں سا
تجھے لے اُڑے ہیں کتنا ترے پَر ذرا ذرا سے
جو ہو سب کا دینے والا میں اسی کو چاہتا ہوں
مری بھیک وہ نہیں ہے کہ ملے کسی گدا سے
یہ خیال خود ہے ایسا ہے جو خوشی بنا دے غم کو
کہ ہے ابتدا خوشی کی مرے غم کی انتہا سے
یہ ہے قصرِ زندگانی کہ حباب بحرِ فانی

ابھی بن گیا ہوا سے ابھی مٹ گیا ہوا سے

مری لاکھ منتوں پر تری اک حیا ہے بھاری
کوئی پردہ ہے وہ پردہ جو ہلے ذرے ہوا سے

ہوئی ختم غم کی آندھی وہی دل کی لو ہے اب بھی
یہی شعلہ تھا وہ شعلہ کہ لڑا کیا ہوا سے

مرا دل رضا پہ راضی۔ کرم اس کا جوش پر ہے
جواب آگئی زباں تک تو گیا اثر دعا سے

ترے پاکباز الفت نہیں ہارنے کی ہمت
جو مریں گے ڈوب کر بھی۔ تو مرینگے رہ کے پیاسے

کسی دل کی آس یوں بھی کبھی آرزو نہ ٹوٹے
یہ کہے بنی ہے دم پر۔ وہ کہے مری بلا سے

تھکیں جس جگہ انتہا وہ نہیں ہے — سمجھ پہونچے جس تک خدا وہ نہیں ہے
ہنسی پر ہنسی کی جگہ کیوں یہ غصہ — خطا تو وہی ہے سزا وہ نہیں ہے
دلاتی ہے ضد دلشکن بات ناصح — بڑھے درد جس سے دوا وہ نہیں ہے
سزائے گنہ ہیں بھی جو ڈھونڈے لذت — طلبگار عفو خطا ۔ وہ نہیں ہے
جو گل ہنس رہے تھے وہ مرجھا رہے ہیں — گلستاں وہی ہے ہوا وہ نہیں ہے
نگاہوں سے چھپنا ہی دھوکے کا پردہ — بسا ہے جو دل میں خدا وہ نہیں ہے

یہاں تک نوا کِ دلنشیں کو چھپایا ۔۔۔ کہ ہونے پہ بھی کہدیا وہ نہیں ہے
مسیحا نفس ہو کے بیدرد جو ہو ۔۔۔ کسی درد کی بھی دوا وہ نہیں ہے
خودی اک کرشمہ ہے خود بیخودی کا ۔۔۔ خطا کوئی بھی ہو خطا وہ نہیں ہے
تم اک بیخودِ غم کو پاؤ گے کیونکر ۔۔۔ وہی گھر، وہی ہیں سا وہ نہیں ہے

ہٹاؤ بھی مے توڑ دو جام و شیشہ
کہ اے آرزو اب مزا وہ نہیں ہے

عیش والوں سے غریبی کی مصیبت نہ کہو
زخم کی طرح ہنسو درد کی حالت نہ کہو
سکھ میں جو ہیں اُنھیں کیا قدر پرائے دُکھ کی
کہہ کے پچھتانے سے اچھا ہے کہ حاجت نہ کہو
صبر کڑوا ہے۔ مگر صبر کا پھل میٹھا ہے
بھیس بدلی ہوئی راحت کو اذیّت نہ کہو
بھید کُھلتا ہے بھرم جاتا ہے ہوتی ہے ہنسی
جس سے حرف آئے تمھیں پر وہ حکایت نہ کہو
آرزو اپنے ہی منھ سے ہے یہ اپنی توہین
شرم عزّت کی اگر ہے تو مصیبت نہ کہو

سکوں دل کا بستر گُل و ثمر میں نہیں
جو آشیاں میں ہے اپنے وہ باغ بھر میں نہیں

جہاں ہے راہگذر، کہہ رہی ہے چلتی سانس
سکوں کی کوئی اُمیّد عمر بھر میں نہیں

نہ آسرا ہو جسے دوسرے کا اے ہمدَم
وہ ایسا دل ہے کہ جیسے چراغ گھر میں نہیں

پرائے دُکھ کو دُکھ اپنا سمجھ لے اور دے ساتھ
بشر نہیں جو یہ بات آرزو بشر میں نہیں

پتہ دل کا دل کے سوا کِس سے پوچھیں
گیا کِس طرف بے وفا کِس سے پوچھیں

مرض مُول لے کر دوا کِس سے پوچھیں
اس اپنے کیے کی سزا کِس سے پوچھیں

جو آغاز انجام سے بِل رہا ہو
اُس آغاز کی اِنتہا کِس سے پوچھیں

سبھی منزلیں کر کے طے جب کھڑے ہیں
کہ اب ہم خود اپنا پتہ کِس سے پوچھیں

اُلفت کی آن بان کو رُسوا نہ کیجئے
بر آئے جو کبھی وہ تمنّا نہ کیجئے

چشمِ جفا میں صبر کو ہلکا نہ کیجئے
شکوے کی بات بھی ہو تو شکوہ نہ کیجئے

دل کیا تھا ایک فتنۂ طوفانِ شوق تھا
جو مر چکا اب اُس کی تمنّا نہ کیجئے

مر کے جائے گا غمِ دل مجھے معلوم نہ تھا
یوں بھی حل ہوتی ہے مشکل مجھے معلوم نہ تھا

کچھ بھی لے دوست نما دل مجھے معلوم نہ تھا
ہو گا اِک دن تو ہی قاتل، یہ مجھے معلوم نہ تھا

سعیٔ ناکامیٔ منزل تھی عرق ریزی بھی
گھٹ کے بڑھ جائے گا ساحل یہ مجھے معلوم نہ تھا

تھی تڑپنے میں تھکن ضبط تو نکلا جانکاہ
کیا ہے اِن دونوں میں مشکل۔ مجھے معلوم نہ تھا

چوٹ جو کھا کے نہ تڑپے اُسے زندہ کہے کون
دل ہے اِتنا متحمّل۔ مجھے معلوم نہ تھا

جھوٹے دعوے کا گنہ بخشتے جاؤ لِلّٰلہ

ہے تمہارا یہ مرا دل، مجھے معلوم نہ تھا

تختۂ مشقِ ستم بن کے رہی دل کی خلش

خود ہوں میں بھی کسی قابل۔ مجھے معلوم نہ تھا

آپ کے دل کی ہے بات آپ سمجھتے ہونگے

مہربانی بھی ہے قاتل۔ مجھے معلوم نہ تھا

درِ مقصود ملا منزلِ ناکامی میں

تہ پہ بھی ہونا ہے ساحل۔ مجھے معلوم نہ تھا

مخربِ کار رہی جوش میں خود عجلتِ کار

پیچھے چھٹ جائے گی منزل مجھے معلوم نہ تھا

زخم سے کم تھی نہ محرومیِ زخمِ ناوک

دل ہوا کس لئے بسمل مجھے معلوم نہ تھا

اور بھی سعیِ رہائی سے بڑھی سختیِ قید

کتنی مشکل میں ہے مشکل مجھے معلوم نہ تھا

آفتِ ہوش چھٹکتے ہوئے تاروں کا سماں

جم کے اُکھڑے گی یہ محفل مجھے معلوم نہ تھا

آرزوؔ کہتا ہے جو بات نئی کہتا ہے

یہ بھی ہے ایک ہی جاہل مجھے معلوم نہ تھا

بیتاب مجھے پا کر پردے کو ہلا دینا
یہ آگ ہیں ہے گویا اور آگ لگا دینا

ہے داد کی جا بیداد اور کیونہ ہو جب ان کو
آتا ہے ہر احساں کو الزام بنا دینا

جو درد کی لذّت کو تکلیف سمجھتے ہیں
آرام انھیں کو تُو اے میرے خدا دینا

جو پائے وفا آنکھیں دیکھیں جو نہ دیکھا ہو
مٹ مٹ کے نشاں بننا گم ہو کے پتا دینا

متوالا مرا ساقی کیا جانے تکلّف کو
انکار سُنے جانا اور منھ سے لگا دینا

نیرنگیٔ قسمت ہیں کھیل اس کے تلوّن کے
اک نقش بنا دینا اک نقش مٹا دینا

بھڑکانے لگانے پر جب سے اُنھیں ضِد آئی
اب جیسے وظیفہ ہے دشمن کو دعا دینا

دل جانے پر آمادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا
کیا کہنا ہے کیا سُننا۔ کیا لینا ہی کیا دینا

اِک شوق کے اندھے کی یہ شانِ تجسّس ہی
ملنے پہ خود ان کو بھی رستے سے ہٹا دینا

جا نچ آرزو اُلفت کی دشمن تو نہیں کرتے
وہ قتل کریں گے کیا شیوہ ہے ڈرا دینا

کچھ نہیں معلوم کیوں خود گم ہو جاتا ہوں میں
راہ بے منزل ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہوں میں

حالِ دل رو کر کہوں تو بھی ہنسا جاتا ہوں میں
اب نہیں بھی تھا تو دیوانہ ہوا جاتا ہوں میں

اِک سبق ہر سانس میں تازہ سُنا جاتا ہوں میں
رٹتا جاتا ہے زمانہ بھولتا جاتا ہوں میں

شوق اور ناکامیاں دیوانگی جس کا مآل
جو بنانا چاہتے ہو تم بنتا جاتا ہوں میں

ٹکریں رستہ بدل دیں کم نہیں مستیٔ شوق
موجِ ساحل ہوں کہ لہراتا چلا جاتا ہوں میں

شوق میں ہے جذب بھی وارفتگی بھی کیا کہوں
مجھ میں وہ آتے ہیں یا اُن میں سما جاتا ہوں میں

خودکشی کی سیر دیکھو پھینکو خنجر ہاتھ سے
تم مٹا سکتے نہیں تو خود مٹا جاتا ہوں میں

دل کا شوق ان کا کرم رشکِ عدو شرمِ جہاں
کس کس کی آگ ہے جس میں جلا جاتا ہوں میں

رَوِ زمانے کی نہیں ۔ دریا کا ہے اُلٹا بہاؤ
آگے بڑھنے پر بھی پیچھے ہی ہٹتا جاتا ہوں میں

دُرِّ مقصد ہر کہیں ہے پھر کہیں ملتا نہیں
جس طرف جاتا ہوں گھبرایا ہوا جاتا ہوں میں

صبحِ شامِ غم سے پہلے ہے مری صبحِ فضا
شمع روشن ہے ابھی لیکن بجھا جاتا ہوں میں

راکھ کی گرمی بھی کب تک، جس پر اتنا اعتماد
جل چکیں نظریں مگر دیکھے چلا جاتا ہوں میں

ناز برداری کا چسکا بے نیازی چھوڑ کر
ہوش یہ کب ہے کہ کیا سے کیا ہوا جاتا ہوں میں

سر پہ لوں کیوں پاؤں کا احسان راہِ شوق میں
بیٹھے بیٹھے آرزو کو سوں چلا جاتا ہوں میں

تڑپتے دل کو نہ لے اضطراب لیتا جا
پٹک دے ساغرِ خالی شراب لیتا جا

وہ ہاتھ مار پلٹ کر جو کر دے کام تمام
بُرے عذاب میں ہوں میں ثواب لیتا جا

وہ بن ہی گھر سے ہوا اچھا سکون جنہیں ملے
مجھے بھی اُو دلِ خانہ خراب لیتا جا

مِلے اک آہ کا وقفہ تو وقت پُرسشِ حال
ہر اک سوال کا اپنے جواب لیتا جا

نقاب اُٹھا کے کیا سامنا تو منھ کو نہ پھیر
دکھا کے خواب نہ آنکھوں سے خواب لیتا جا

ہو کے دلدوز نظر زیست کا ساماں ہو جائے
یُوں چبھو سینہ میں نشتر کہ رگِ جاں ہو جائے

ضد وفا سے ہے تو اب لیں گے جفا کا اقرار
شوق یہ ہے کہ کسی طرح نہیں ہاں ہو جائے

داد خواہی تو رہے داد ملے یا نہ ملے!
اِتنا قاتل کو نہ چھیڑو کہ پشیماں ہو جائے

بس نہ دے اپنے تصوّر کو جو مجبور اسیر
وسعتِ صحنِ چمن داخلِ زنداں ہو جائے

نگہِ شوقِ تماشا ہے خود انتشار نگین
دیکھتے دیکھتے جنگل بھی گلستاں ہو جائے

ش نے خود سازِ غارتگر کے ٹکڑے کر دیے
پھر پھڑانے نے مرے شہپر کے ٹکڑے کر دیے

آپ کر لیتی ہیں اپنی ٹھوکریں اِصلاحِ حال!
جس میں نخوت بھر گئی اس سر کے ٹکڑے کر دیے

دن وہ مقتول تیرے حُسنِ آرایش کا ہے
جس کے دستِ سوگ نے زیور کے ٹکڑے کر دیے

دیکھتا کاش اپنا منھ پہلے شکستہ آئنہ
نقش صورت گر نے صورت گر کے ٹکڑے کر دیے

رحم اور وہ سنگ دل تاثیرِ اشکِ غم تو دیکھ
آرزوؔ اس موم نے پتھّر کے ٹکڑے کر دیے

یا وہ بنکر بے زباں لینے کو بیٹھے ہیں زباں مجھ سے
کہ خود کہتے نہیں کچھ اور کہلواتے ہیں ہاں مجھ سے

بہت کچھ حسنِ ظن رکھتا ہے میرا مہرباں مجھ سے
کہ تہمت دھر کے ہی خواہاں تائید بیاں مجھ سے

کسی گُل کی قبا ملتی نہیں تحریر سے خالی
جنوں نے لے کے بانٹی ہیں کتنی دھجیّاں مجھ سے

پلا ساقی کہ رہ جائے خمارِ کیف کا پردہ

بس اب رُکتی نہیں آئی ہوئی انگڑائیاں مجھ سے

جو گُل کو گُل نہ سمجھو گے تو کانٹوں ہی میں اُلجھو گے
نہ دو اپنے کو دھوکہ آپ ہو کر بدگماں مجھ سے

بہت جلدی نہ آ کر اے چشمِ تر کچھ دیر کو دم لے
بیاں کرنا وہ تو رہ جائے جتنی داستاں مجھ سے

اب اس حیلے سے کیا چھینو گے حق دادخواہی بھی
ستم کرنا ہے کر لو لو نہ نامِ امتحاں مجھ سے

مثالِ شمع اپنی آگ میں کیا آپ جل جاؤں
قصاصِ خامشی لیگی کہانتک اے زباں مجھ سے

تصوّر کی نظر پردوں کے روکے رُک نہیں سکتی
بتا اُڑ جانے والے چھپ کے جائے گا کہاں مجھ سے

ہوئیں تا دیر پہچانی ہوئی آوازمیں باتیں!
وہ کچھ کچھ کھل چلے ہیں رکھکے پردہ درمیاں مجھ سے

اگر اے آرزو ہر سانس دل کی آہ بن جائے
نہ ہو گی ختم پھر بھی میری لمبی داستاں مجھ سے

حسن ٹھکرا دے جسے عشق کے قابل ہو جائے
چوٹ کھا جائے جو پتھر تو وہی دل ہو جائے

عشق بھی حسن کو للچانے کے قابل ہو جائے
جھک پڑے عرش زمیں پر دل اگر دل ہو جائے

دیب دل کا ہے بہت بازوِ قاتل سے لگاؤ
ھی طاقت نہ اسی زور میں شامل ہو جائے

دل کی بڑھتی ہوئی اُمید کا اللہ رے فریب
کہ جو کام مشکل نہ ہو وہ کام بھی مشکل ہو جائے

وق دے کر نہ اب اتنا بھی بناؤ مجبور
نا دل اپنے لئے آپ ہی قاتل ہو جائے

تابعِ سعیِ رہائی ہے مری وسعتِ قید
جو کڑی ٹوٹ کے بکھرے وہ سلاسل ہو جائے

ئی ہو جو رہنساں کہنے کے قابل ہو جائے
ل بنے یا تو زباں۔ ورنہ زباں دل ہو جائے

خون ہلکا ہو جو اتنا تو بنے کیوں قاتل
آپ ہی وار کرے آپ ہی بسمل ہو جائے

قل گم ہے ترے جلوے کی ضیا پاشی پر
م میں اک شمع سے خلوت کدہ محفل ہو جائے

اللہ اللہ مری سعیٔ عمل سے یہ ضد!
راہ طے جتنی ہو دور اُتنی ہی منزل ہو جائے

طالب کسب ضیا تھی نظر اے برقِ جمال
نہ کر جو پاس ہے یہ نور بھی زائل ہو جائے

روز زمانے کی ہے دریا کی بدلتی کروٹ
ابھی دھارا نظر آئے ابھی ساحل ہو جائے

اب تک آغوشِ تمنّا ہے مرا سینۂ چاک
آ کے جو دل کی جگہ لے وہی دل ہو جائے

آرزو یاد سے غم تازہ رکھ اِتنی مدّت
کہ دل ایذا و بلا کا متحمّل ہو جائے

ہوا ہے حُسن کی رنگینیوں سے کُل جہاں رنگیں
گلوں سے ہے زمیں رنگیں شفق سے آسماں رنگیں

بہار سبزہ و گُل سے ہے سارا بوستاں رنگیں
زمیں رنگیں ہوا خوشبو فضا دلکش سماں رنگیں

بہار آئی ہے رنگینی لُٹاتی گوشے گوشے تک
ہرے تنکے نشیمن کے قفس کی تیلیاں رنگیں

یہ کس گُل کی سواری غیرتِ بادِ بہاری ہے

فضائے آسماں رنگیں ہے گردِ کارواں رنگیں
جنوں کا پنجۂ خونیں بہارِ گل کا تابع ہے
خدا رکھے پھٹے دامن کی بھی ہیں دھجیاں رنگیں
چلا ہے لے کے اُس جانب جدھر ہے حُسن کا ساحل
جہازِ دل تو سادہ ہے مگر ہے بادباں رنگیں
رُخِ رنگیں کے پرتو نے نقاب رُخ سے چھن چھن کر
یہاں تک رنگ برسائے کہ ہے سارا جہاں رنگیں
خمارِ کیفِ دوشیں بھی نہیں ہے کیف سے خالی
جوانی جاتے جاتے دے گئی ہے اک نشاں رنگیں
نہیں جلنا بھی خالی رنگ سے رنگیں مزاجوں کا
ٹپکتا شعلہ رنگیں ہے تو یُں کھاتا دھواں رنگیں
کوئی کہکر لہو رُویا. کوئی سُنکر لہو رُویا
ازل سے ہے ترے خونیں کفن کی داستاں رنگیں
ادائے سادگی نے ایک قتلِ عام کر ڈالا
یہ جس کی رنگ رَلیاں خود وہ ہے ایسا کہاں رنگیں
نہ کیوں ہوں آرزو وفائی تری رنگین خیالی کے
قلم رنگیں زباں رنگیں سخن رنگیں بیاں رنگیں

دل کی حالت کچھ نہ پوچھو اس فسوں گر ہاتھ میں
موم ہو جائے جہاں آتے ہی پتھر — ہاتھ میں

بل گیا ابرو سے۔ آیا تیر خنجر ہاتھ میں
اب نظر آتے ہیں اس کے بگڑے تیور ہاتھ میں

اُن سے اِتنا پوچھ دے کوئی کہ دیوانہ ہے کون؟
دوڑتے ہیں مجھ پہ جو لے لے کے پتھر ہاتھ میں

نغمہ ہائے روح پرور کی قیامت خیزیاں
ہے سریلی بانسری یا صورِ محشر ہاتھ میں

دیکھ کر دورِ زمانہ کی روش اپنے خلاف
ڈر کے مارے لے نہیں سکتا ہوں ساغر ہاتھ میں

بگڑی قسمت کے بنانے پر ہے جن کا دسترس
وہ لکیریں اے خدا آ جائیں کھنچ کر ہاتھ میں

جام مے اتنا نہ تھا بھاری کہ گِر کر ٹوٹ جائے
کیا کریں اس کو جو ہو قسمت کا چکر ہاتھ میں

ہتکڑی کا ٹوٹنا بھی ہے اِک اعجازِ جنوں!
ورنہ یہ طاقت کہاں تھی میرے لاغر ہاتھ میں

آرزو پڑھتے رہو گے تا بہ کے مکتوب دوست
بن گیا کیا اِک ورق آتے ہی دفتر ہاتھ میں

غلط فہمی میں ڈالا دل کی محویت نے قاتل کو
وہ یہ سمجھا تڑپنا ہی نہیں آتا ہے بسمل کو

ٹھوکوں پر ٹھوکے کس لئے بیٹھے ہوئے دل کو
تڑپ اٹھا تو پھر اُٹھے گا برہم کر کے محفل کو

محبّت اور ذکرِ بے دلی کہنے کی باتیں ہیں ۔۔!
ابھی دل کہنے کے قابل میں پاتا ہی نہیں دل کو

جنوں میں بڑھ کے ہمت کیا کرے طاقت جب پائے
مقدّر سو گیا غود نیند سے چونکا کے غافل کو

الگ ان شاہراہوں سے ہے رستا کامیابی کا
پہونچتا ہو جسے منزل پہ وہ گم کر دے منزل کو

وہ جلدی کیوں کرے ہے کامیابی جس کی مُٹھی میں
ہنسلنے والا غصّہ بھی دلا سکتا ہے قاتل کو

یہ غصّہ بڑھتے بڑھتے حد سے ٹکرائے تو سے پلٹے گا
میں حل کر لوں گا مشکل اور مشکل کر کے مشکل کو

چلی جاتی ہے کشتی اور رستا کم نہیں ہوتا
کہ جو موج آتی ہے آگے بڑھا دیتی ہے ساحل کو

زمانہ آگیا زنجیر سے زور آزمائی کا
کہ جو سانس آرزو ہیٹی ٹھوکا دے چلی دل کو

پردہ درِ عشق کی فطرت میں ہے عُریاں ہونا
میں نے سیکھا تو نہ تھا چاک گریباں ہونا

رنگِ گیتی بھی ہے نیرنگیٔ گردوں کا جواب
عارضی ہے یہ بیاباں کا گلستاں ہونا

پھول ہنستے ہیں تو کیا زخم نہیں ہنستے ہیں
کچھ خوشی پر نہیں موقوف ہے خنداں ہونا

دھر دیا بوجھ محبّت کا اُٹھے یا نہ اُٹھے
جرم کس کا ہے اگر جرم ہے انساں ہونا

بیٹھے بیٹھے دم اُلجھتا ہے جو حد بندی سے
پھر تو ممکن ہی بیاباں کا بھی زنداں ہونا

اہل ہر اک تو نہیں جس کو نوازے غمِ دوست
لائقِ شکر ہے دشمن کا بھی مہماں ہونا

تم پریشاں نہ ہو کوئی نئی بات نہیں
ہم سے آشفتہ مزاجوں کا پریشاں ہونا

بدلا انداز تو کیا خُو بھی بدل جائے گی
گھات ہے نازِ ستم کی یہ پشیماں ہونا

جوش سودا سے ہے جب فطرتِ انساں کا خمیر
قہر ہے جامۂ ہستی میں گریباں ہونا

حل بڑے عقدۂ لاحل کا ہے اے منکرِ عشق
میرا مرنا کر ترے بال پریشاں ہونا

پہن زُنّار تو بے کار جب آئے نہ پھبن
آرزو وصاف کہو تم بھی مسلماں ہونا

خدا ہی جانے کیا سُنتا ہے کوئی کیا سُناتا ہوں
وہ ہاں ہاں کرتے جاتے ہیں میں آگے بڑھتا جاتا ہوں

تمہاری ایسی ہی باتوں سے میں چکر میں آتا ہوں
چلے کہہ کر کہ آتا ہوں یہ آتا ہوں کہ جاتا ہوں

اِدھر ایذا میں اِک لذّت، اُدھر لذّت میں اِک ایذا
ہنسی کو رُوکنا پڑتا ہے جب آنسو بہاتا ہوں

یہی غم ترجمانِ حالِ ہے گونگی مسرّت کا
وہ چُپکے ہنستے ہیں چٹکی لے کے اور میں مسکراتا ہوں

خودی رُو کے ہے گر تجھکو مرے دل میں سمانے سے
تو اچھا ہو کے بیخود میں ہی اب تجھ میں سماتا ہوں

ہے اس دیوانگیٔ دل کا ہر انداز اثر افگن
کبھی رو کر ہنستا ہوں۔ کبھی ہنس کر رُلاتا ہوں

سوادِ منزلِ مقصود آنکھوں کا اندھیرا ہے

تھکن ہمت بڑھادیتی ہے جب خود پچھتاتا ہوں
میں تھا جب تک تو وہ دل سے بھلائی کرتے تھے مجھکو
نہیں ہوں میں تو اب رہ رہ کے اُن کو یاد آتا ہوں
سرورِ بےخودی میں ہوشِ منزل آرزو کیا ہو
نہیں معلوم کس رستے پہ ہوں کس سمت جاتا ہوں

دھوکے دیتی ہے غلط کار بصیرت مجھکو
بن کے آئینہ دکھادو مری صورت مجھکو
خود ہے اب ذوقِ خلش دشمنِ راحت مجھکو
قہر ہے تیری بگاڑی ہوئی عادت مجھکو
خود بھی بےچین ہیں وہ دیکے اذیت مجھکو
اب تو کچھ آنے لگی درد میں لذت مجھکو
تھک کے تدبیر جب تابعِ تقدیر ہوا
کام بے ختم کیے ہو گئی فرصت مجھکو
با اثر آہ ہے الفت میں دعا بے تاثیر
چین آتا ہے اُنھیں دے کے اذیت مجھکو
غم بھی اک راز ہے جو قابلِ اظہار نہیں
نالے کرتا ہے کوئی آتی ہے غیرت مجھکو

رخصت اے ہمدمِ دیرینہ وہاں ہوں اب میں
کہ جہاں خود نہیں اپنی بھی ضرورت مجھ کو

بے خودی حالِ زبوں کیلئے اِک پردہ ہے
ہوش آئے گا تو آجائے گی غیرت مجھ کو

بے رُخی دیکھ لی ہاں ہاں وہ جھلک بھی تو دکھا
جس نے گھُل مِل کے سکھائی تھی محبّت مجھ کو

غدرِ آئینوں کی بڑھتے ہوئے غم نے کھو دی
دھوکے دیتی ہے بدلتی ہوئی صورت مجھ کو

پردہ اُٹھا بھی تو کیا تابِ نظر چُپ ہوئی
پھر سے کرنا ہے بپا تازہ قیامت مجھ کو

آرزو کشتہ ہوا اس کا کہ جو دشمن بھی نہیں
دے جواب اے مری محرومیٔ قسمت مجھ کو

کچھ نہیں بولتے ہو گم سُم ہو!
آرزو کس خیال میں گم ہو!
خواب میں آتے ہی اُڑا دی نیند
کون ہے کون ہے ارے تم ہو

اے مرے زخم دلنواز، غم کو خوشی بنائے جا
آنکھوں سے خوں بہائے جا ہونٹوں سے مسکرائے جا

جانے سے پہلے بے وفا شب کو سحر بنائے جا
دل کو بجھا کے کیا چلا۔ شمع کو بھی بجھائے جا

جوشش چشم اشکبار مفت نہ رکھ کرم کا بار
میری لگی تو بجھ چکی۔ اپنی لگی بجھائے جا

سانس کا تار ٹوٹ جائے۔ ٹوٹے نہ تار آہ کا
ایک ہی لے پہ گائے جا ایک ہی دھن بجائے جا

حکم طلب ہے منتظر شوق کی آبرو نہ کھو!
سر کو قدم بنا کے چل آنکھوں سے بے بلائے جا

مے وہ دوائے تلخ ہے جس کا اثر ہے خوشگوار
دل میں مزے اٹھائے جا پینے میں منھ بنائے جا

منزل بے خودئ شوق حدِ نظر سے دور ہے
پیچھے پلٹ کے بھی نہ دیکھ آگے قدم بڑھائے جا

اِک ہمہ تن ہے پائے ناز۔ اِک ہمہ تن سرِ نیاز
یہ تو چلن جہاں کا ہے جتنا دبے دبائے جا

ظرفِ شراب تیرے پاس ظرفِ سرور میرے پاس
دل تو نہیں بقدر جام۔ دیکھ نہ منھ پلائے جا

دونوں ہیں نازِ دلبری۔ ضد ہیں ہر حسن کی بلطف
ایک طرف لگائے جا ایک طرف بجھائے جا

چاند میں گم چکور خود۔ چاند کہیں چھپا ہوا
اپنی تلاش ختم کر۔ اس کا پتا لگائے جا

آرزوؔ اس سے کہہ دو صاف غم کا اثر ہی دیرپا
جلد ہنسی نہ آئے گی اور ابھی گدگدائے جا

کرم تھا یہ بھی کہ ایک اور پردہ ڈال دیا
نگاہ دیکھ لی جھپکا کے آنکھ ٹال دیا

وہ اس غرور سے بیٹھے ہیں ہوش کھو کے مرے
کہ جیسے کوئی بڑا حوصلہ نکال دیا

سکوں ہوا تھا ابھی دلشکن جواب سے کچھ
کہ التفات نے پھر کشمکش میں ڈال دیا

وہ اشک پونچھنے بیٹھے تو اور دل اُمڈا
خوشی کو بھی اُسی سانچے میں غم کے ڈھال دیا

عدوئے ہوش جو تھی آرزوؔ اسی مے نے
میں لڑکھڑا کے چلا تھا کہ پھر سنبھال لیا

گل تصویر میں بُو باس مری جان کہاں
نام کے تو بہت انساں مگر انسان کہاں
اپنے مطلب کی شریعت ہی غرض کا قانون
بات ایماں کی تو یہ ہے کہ ایمان کہاں
ایسے ہی ہیں کہ جلے ایک کا گھر اک تاپے
ہونگے دل سوز بھی لیکن کوئی پہچان کہاں
آرزو سب سے بُرا۔ آپ بھلے مان لیا
آخر انساں تو وہ بھی ہی یہ ہے دھیان کہاں

خالی بیٹھے کیوں دن کاٹیں آؤ رے جی اِک کام کریں
وہ تو ہیں راجہ، ہم بنیں پرجا اور جھک جھک کے سلام کریں
کھُل پڑنے میں ناکامی ہی گم ہو کر کچھ کام کریں
دیس پُرانا بھیس بنا ہو نام بدل کر نام کریں
دونوں جہاں میں خدمت تیری خادم کو مخدوم بنائے
پریاں جس کے پاؤں دبائیں حوریں جس کا کام کریں
ہجر کا سناٹا کھو دے گی گہما گہمی نالوں کی
رات اکیلے کیونکر کاٹیں سب کی نیند حرام کریں
بیبے کر بُرا کہلانے سے تو اچھے بن نہیں سکتے آپ

بیٹھے بٹھائے یہ کیا سوجھی آؤ اسے بدنام کریں

دل کی خوشی پابند نہ نکلی رسم و رواج عالم کی
پھولوں پر تو چین نہ آئے کانٹوں پر آرام کریں

ایسے ہی کام کیا کرتی ہے گردش اُن کی آنکھوں کی
شام کو چاہے صبح بنا دیں صبح کو چاہے شام کریں

لامحدود فضا میں پھر کر حد کوئی کیا ڈالے گا
پختہ کار جنوں ہم بھی ہیں کیوں یہ خیالِ خام کریں

نامِ وفا سے چڑھ اُن کو اور آرزو اِس خو سے مجبور
کیونکر آخر دل بہلائیں کس وحشی کو رام کریں

یہ کیا کچھ کم ہے جو کچھ مل چکا اُلفت کے حاصل میں
کلیجے میں جلن آنکھوں میں بیخوابی، تڑپ دل میں

جگہ دیکر کروں کیا اب میں اندیشے شوق کو دل میں
کہ وہ نظروں سے پوشیدہ ہیں اور بیٹھے ہیں محفل میں

اے خلوت نشیں کیوں کہدیا آنے کو محفل میں
تمنّاؤں کا مجمع اب سماتا ہی نہیں دل میں

اُمید و بیم ہی ہیں خشک و تر دُنیائے اُلفت کے
ہمیشہ ٹکریں چلتی رہیں گی موج و ساحل میں

تنزّل پر بنا ٹھہرے نہ کیونکر ہر ترقی کی — !
حدیں تو مِل چکی ہیں خشک و تر کی آ کے ساحل میں

یہ پھوڑا پھوٹ جانے پر بھی پھوڑا ہی رہا آخر
بہے آنکھوں سے دریا اور ٹپک موجود ہی دل میں

ہر اک چرکے میں ہے قاتل ادا کے کیا مسیحائی
کہ پھر پھر دل تڑپنے کا دم آ جاتا ہے بسمل میں

فراوانی سے جلووں کی وہاں کثرت میں گم وحدت
یہاں یہ انتظار اب تک وہ کب آئیں گے محفل میں

جو ہے بیداد گر میرا وہی ہے داد گر میرا
چھری ہے دستِ قاتل میں، لہو دامانِ قاتل میں

محبّت تھی تو اظہارِ محبّت سے غرض کیا تھی
قسم سے مٹ گیا آتا یقیں شک پڑ گیا دل میں

مسافر نے کمر کھولی، مگر راحت ابھی کیسی — !
تھکن نے لاکھ رکھ دیں سختیاں رستے کی منزل میں

اگر ہے قیس دیوانہ تو دل رکھتی ہے لیلیٰ بھی
نہ اُٹھے دیر تک پردہ تو دم گھٹ جائے محمل میں

حباب و موج کی تبدیلِ ہیئت دے گی کیا دھوکا
حقیقت کی جھلک موجود ہے ہر نقشِ باطل میں

تن آسانی چلن ہے آرزو مردوں کی دنیا کا
بڑھو یہ سوتی ہمت آپ جاگ اُٹھے گی مشکل ہیں

پیامِ شوق کہہ دینا۔ جوابِ ناز سُن لینا
کسی حیلہ سے ہو ہم کو تری آواز سُن لینا
اگر آتا ہو تم کو نغمۂ بے ساز سن لینا
تو ساکت دل کا بھی پیغام بے آواز سُن لینا
اُسی سے لوں گا دادِ ظلمِ پنہاں جس کو آتا ہو
شکستِ دل کی نامحسوس سی آواز سُن لینا
پتہ ملنا تو بے چینی کا آساں دل کی دھڑکن سے
مگر زیبا نہیں چھپ کر ترا یا راز سُن لینا
دل اک نازک سا شیشہ اُس پہ مشقِ ناوک اندازی
ہوا کیا، یہ بھی اک دن اے نگاہِ ناز سُن لینا
ندامت اک نہ اک دن لازمی ہے ظلمِ بے جا پر
انھیں کے منھ سے ان کا رازِ اے دمسازسُن لینا
ابھی تو نغمہائے جورِ پنہاں نامکمل ہیں
شکستِ سازِ دل ہی سے صدائے ساز سُن لینا
ہلاہل اپنی مٹھی میں، چھری ہے اپنے قبضہ میں

بُلا لیتے ہیں کہہ کر موت کو جانب از سُن لینا

ہوا تھا آرزو و اقرار اُلفت بے حجابانہ

اور اب دشوار ہے پردے سے بھی آواز سُن لینا

جو بُت ہے یہاں اپنی جا ایک ہی ہے

دُوئی چھوڑ بندے خدا ایک ہی ہے

یہ گُل کھل رہا ہے وہ مُرجھا رہا ہے

اثر دو طرح کے۔ ہوا ایک ہی ہے

ہیں اپنی ہی نیت کے پھل تلخ و شیریں

وگرنہ مزہ درد کا ایک ہی ہے

بھرے رنگ جتنے بدلتا زمانہ

مگر عشق کا ماجرا ایک ہی ہے

سبھی شکوے مٹتے ہیں چشمِ کرم سے

مرض ہوں ہزاروں دوا ایک ہی ہے

دو رنگی دُنیا سے کیا کام ہم کو

کہ فردوس دل کی فضا ایک ہی ہے

بناتے ہیں بے خود سبھی حُسن والے

ٹھکانے الگ راستا ایک ہی ہے

کوئی سمجھے نغمہ کوئی سمجھے نالہ
مرے سازِ دل کی صدا ایک ہی ہے

وہ دار و رسن ہوں کہ ہوں زہر و خنجر
بہانے ہزاروں، قضا ایک ہی ہے

محبّت کرے اور ہو بے غرض بھی
تو پھر آرزو آپ کا ایک ہی ہے

گرا ہیں جو کھاتے ہی چتون کا بھالا
پکار اٹھی دنیا اسے مار ڈالا

کبھی چوٹ کھائی کبھی دل سنبھالا
محبّت بھی اِک کھیل تھا کھیل ڈالا

قیامت بھی آجائیگی کل ہی کل ہیں
کہاں تک چلے گا یہ حیلہ حوالہ

جدائی کی راتیں بھی کالی نہیں اب
کہاں تک ہے اِس جلتے دل کا اُجالا

اچانک یہ کون آگیا بے بُلائے
کہ بیساختہ ہنس پڑا رونے والا

بھروسہ ہو گیا اِس بدلتی نظر پر!
ابھی عہد باندھا ابھی توڑ ڈالا

جہاں رُک گئے آرزو بن کے آنسو
تڑپنے لگا اور بھی دل کا چھالا

جُڑ کے کڑیاں ترے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کی
قید تیار کئے دیتے ہیں دیوانوں کی
راکھ ہی قبر ہے ہم سوختہ سامانوں کی
لاشیں بے دفن پڑی رہتی ہیں پروانوں کی
نہ کر اس حد پہ بھی واعظ ملکوتی باتیں
آدمیّت میں شک آنے لگے انسانوں کی
یادگار آنکھوں میں رکھ لی ہے تسلّی کے لئے
لے کے تصویر اُجڑتے ہوئے سامانوں کی
رُوک شوریدہ مزاجوں کو اب اے حسن قبول
رُوحیں برباد ہوئی جاتی ہیں دیوانوں کی
اِک آئینہ نیرنگ ہے خود رنگشِ بہار
بُو ہر اک پھول میں ہے خوں شدہ ارمانوں کی
کافرِ عشق پہ بھی جس کو ترس آتا ہو!

کوئی ایسا بھی ہے بستی میں مسلمانوں کی

آرزو اشک بھی اظہارِ غم دل کو نہ تھے
ناؤ خشکی ہی میں ڈوبی مرے ارمانوں کی

آرزو جو نہ سنیں اس کو بدی کیوں جانیں
یہی اچھا ہے سماعت نہ بڑھے کانوں کی

تلاشِ رنگ میں آوارہ مثلِ بو ہوں میں
گذر کے آپ سے اپنی ہی جستجو ہوں میں

نفس ہے سختیٔ قیدِ حیات کا ضامن
نکل سکے جو نہ پھانسی سے وہ گلو ہوں میں

نشانِ ہستیٔ فانی ہے داغِ ناکامی
خود اپنی آنکھ سے ٹپکا ہوا لہو ہوں میں

مثالِ پیکرِ سیماب۔ اضطرابِ مدام
پئے نگاہِ کرم شرحِ آرزو ہوں میں

مری زباں پہ ہیں اندیشہائے ناکامی
سمجھ رہی ہیں وہ دل میں کہ حیلہ جو ہوں میں

ابھی ہے آبِ ندامت سرِ جبیں باقی
نماز ایسے میں پڑھ لوں کہ باوضو ہوں میں

ہوں کچھ نہ ہونے پہ بھی کائنات کا حاصل
کہ اپنا شوق نہیں تیری آرزو ہوں میں
مثال معنیٔ بے لفظ و لفظ بے معنی
جو تیرے دل میں نہیں ہے وہ آرزو ہوں میں

کون کہہ میں یہ شریکِ بزم رندانہ ہوا
شیشۂ دل کا بادہ ٹپکا چور پیمانہ ہوا
حسن کی وہ بے رُخی وہ عاشقی کی بے بسی
ختم جل جل کر یوں ہی آخر کو پروانہ ہوا
دہشتِ دار و رسن کیا آگے جوشِ شوق کے
لاکھ دھمکایا ڈرایا۔ چُپ نہ دیوانہ ہوا
کھا کے قسمیں بھی کہوں تو اب مری سنتا ہے کون
اُن کے یک طرفہ بیاں پر ختم افسانہ ہوا
انقلابوں نے دکھائے دونوں رُخ تصویر کے
عیش خانہ ایک کروٹ میں عزا خانہ ہوا
حدِ ناکامی میں نکلی کامیابی عشق کی
جل کے آخر شمع کا ہم شکل پروانہ ہوا
پردۂ کثرت میں اُدھر کھیلنے والے بتا

دلربائی کس نے کی اور کون دیوانہ ہوا

عشق کی خودداریاں ہوتی نہیں منّت پذیر
آگ میں اپنی ہی جل کر ختم پروانہ ہوا

سرنگوں شیشے ہیں اور جام ہیں چھلکے ہوئے
آرزو جب سے شریکِ بزم رندانہ ہوا

اُمید مری خاک میں اس دل نے مِلادی
جو دوست بنا گھات سے اور مل کے دغا دی

بے تخلیہ آنے میں جھجکتی تھی تری یاد
اِک شمع فقط سامنے تھی وہ بھی ہٹادی

اے جوشِ غمِ عشق یہ تھا زہر کہ پانی
آنسو جو رُکے آگ سی کلیجے میں لگا دی

جلنے سے ہوئی شمع کو فرصت تو دمِ صبح
خاموشی عاشق کی کہانی بھی سُنادی

اے آرزو اس وقت میں تریاق بھی ہے زہر
جب کام مرض کر چکا اپنا تو دوا دی

چُپ جو ہوں فکرِ دغور ہی یہ بھی
اِک تسلّی کا طوُر ہے یہ بھی

خوگرِ غم کو رحم سے کیا کام
سچ جو پوچھو تو جور ہے یہ بھی

نہ خوشی ہے خوشی نہ رنج ہے رنج!
عمر کا ایک دوَر ہے یہ بھی!

آپ اپنے سے برہمی کیسی
میں نہیں کوئی اور ہے یہ بھی

تری تلاش میں اس طرح مٹ رہا ہوں میں
کہ ہوں کہیں تو سہی اپنا ہی نقشِ پا ہوں میں

جفا کے واسطے بھی ہوں تو کیا بُرا ہوں میں
یہ کم نہیں کہ ترے دل کا مدّعا ہوں میں

وہ دے رہے ہیں سہارا جھجک رہا ہوں میں
دغا اُٹھائے ہوئے دل کا حوصلا ہوں میں

سمجھ رہا ہوں ابھی تو کہ آپ کیا ہوں میں
وہ راہ رَو ہوں کہ خود راہ بن گیا ہوں میں

رہِ نیاز میں مٹ کر اُبھر رہا ہوں میں
کہ اپنا نقشِ جبیں تیرا نقشِ پا ہوں میں

ہنسی پہ برق کی سینہ پہ ہوک اُٹھتی ہے
وہ کر رہے ہیں اشارے سمجھ رہا ہوں میں

مری تڑپ ہے پیامِ سکوں زمانے کو
دوائے درد ہوں گو دردِ لادوا ہوں میں

جواب بن کے پلٹتا ہے ہر سوال مرا
جہانِ شوق میں گونجی ہوئی صدا ہوں میں

مجھے بصیرتِ چشمِ حسد نے مارا ہے
نظر پہ چڑھ کے نظر سے گرا ہوا ہوں میں

عزیز ہو گی بھلا کس کو اب حقیر سی جان
ذرا سمجھ کے کہو تیرا خوں بہا ہوں میں

تلاشِ دوست کے سب راستے نکل آئے
جہاں یہ سوچنے بیٹھا کہ آپ کیا ہوں میں

وہ میرے منھ سے اُگلوا رہے ہیں راز مرا
یہ بے سُنے کہکر کہ جانتا ہوں میں

فدائے لذّتِ آزار کچھ نہیں کھُلتا
کہ ہنس رہا ہوں تو پھر کیوں تڑپ رہا ہوں میں

کرم کا موجۂ ساحل نما تھا دامِ فریب
سمجھ کے عیشِ محبت میں پھنس گیا ہوں میں

قیامت آئے گی جس دن تڑپ کے لی کروٹ
ابھی تو رنگ زمانے کا دیکھتا ہوں میں

پہونچ کے بھی سرِ منزل تلاش باقی ہے
کہ وہ ملے ہیں تو اب آپ کھو گیا ہوں میں

کیا ہے کمُل کے فریب نظر نے یوں ساکت
کہ بند کرتا ہوں آنکھیں نہ دیکھتا ہوں میں

غضب ہیں آرزو و آداب عشق کی خلشیں
بچھے ہیں راہ میں کانٹے برہنہ پا ہوں میں

ہائے رے دردِ محبت کے مزے
ہیں اذیت میں بھی راحت کے مزے

دیکھ نافرمان اطاعت کے مزے
ہیں جہنم میں جنت کے مزے

دُور رہ اے آرزوئے لطفِ وصل
لے رہا ہوں دردِ فرقت کے مزے

کوئی دورِ جرعۂ دیدار اور
پھیکے پڑ جائیں نہ خلوت کے مزے

اک دن اس نازِ ستم رانی کا زہر

تلخ کر دے گا حکومت کے مزے

لُوٹ لے جا دین و ایماں عقل و ہوش
چھن نہیں سکتے محبت کے مزے

ظلم میں بھی اس کے لُطف آنے لگا
جا کہاں سکتے تھے قسمت کے مزے

دُکھ نہ گر ہوتا تو سُکھ سُکھ ہی نہ تھا
بعدِ آزار آئے راحت کے مزے

دل کو ہر چرکے میں ہے اک لُطفِ نو
مجھ سے پوچھ اپنی عداوت کے مزے

اس کی مرضی میری مرضی بن چکی
ہیں اطاعت میں حکومت کے مزے

حُسن خود بیں فیصلہ قسمت کا دیکھ
غیر لُوٹیں تیری دولت کے مزے

آرزوؔ خوش کر کے خوش ہوتا ہے خوب
یوُنہی لو ہر ایک نعمت کے مزے

اُلفت میں مر مٹیں گے کہ یہ بات کا نباہ ہو جان آرزو رہے نہ رہے آبرو رہے

خزاں کا بھیس بنا کر بہار نے مارا
مجھے دو رنگی لیل و نہار نے مارا

یہ مرتے مرتے بھی ذہن میں آنا ہی مشکل!
بگاڑنے کو ترے چاہ پیار نے مارا

تمہارا شیوہ اگر جبر ہو تو دو دل لازم
مجھے تو ہائے مرے اختیار نے مارا

یقین تھا کہ جدا ہوں گے عمر بھر نہ کبھی
یہ دن دکھا کے اسی اعتبار نے مارا

جو ہو شہید جفا آرزو تو صبر آ جائے
وفا شعار کو اس کے شعار نے مارا

نالے مجبوروں کے خالی نہیں جانے والے
ہیں یہ سوتا ہوا انصاف جگانے والے

حد سے ٹکراتی ہے جو شے وہ پلٹتی ہے ضرور
خود بھی روئیں گے غریبوں کو رُلانے والے

چُپ ہی پروانہ تو کیا شمع کو خود ہے اقرار
آپ ہی جلتے ہیں اوروں کو جلانے والے

آرزو ذکر زبانوں پہ ہی عبرت کیلئے ؎ مٹنے والے ہیں نہ باقی نہ مٹانے والے

میں کہوں جو چوکہ یہ ہو اور یہ لے داد رنہ ہو
ہے یوہیں ہونا تو آخر فیصلہ مجھ پر نہ ہو

دیکھنا ہے اِک نگاہِ مست کی ساقی گری
ظرفِ دل درکار ہے شیشہ نہ ہو ساغر نہ ہو

ہاں اُسی کی خاک سے مل سکتا ہے تخمِ مراد
جو نہالِ آرزو جل جائے بار آور نہ ہو

عشق اگر بے لوث ہو پھر کچھ نہیں خوفِ گنہ
پَیر کر دریا کو نکلیں اور دامن تر نہ ہو

غرق کی بنیاد ہے ایسی جگہ مشق شنا
گردشِ چشم اس کی ہے گرداب کا چکّر نہ ہو

بے مروّت بے وفا بے دید، بے پروا بھی
سب گوارا ہے مگر انسان ہو پتّھر نہ ہو

بے لُٹے کیونکر سمجھتے کیا ہے لُٹنے کی بہار
حُسن وہ بھی حُسن ہے کوئی کہ غارت گر نہ ہو

کر نہیں سکتے ہیں دعویٰ کشتہ ہو جانے پہ بھی
ہائے وہ قاتل کہ جس کے ہاتھ میں خنجر نہ ہو

جھوٹے پیماں پر یقیں کیونکر نہو جب ہے یہ حال
لب پہ ہو نامِ خدا، دل میں خدا کا ڈر نہو

ہے بنانا کامیوں کی اختلافِ نوعِ کار
اس کا کیا جھگڑا کہ ہو کس طرح اور کیونکر نہ ہو

اس کے ور پر ایک اک کروٹ میں جنّت کا ہے چین
ہو فقط جھاڑی زمیں تکیہ نہ ہو بستر نہ ہو

ہے غرورِ حسن کی بنیاد بھی عشقِ حقیر!
ورنہ کیا ممکن ہے یہ سودا تو ہو اور سر نہ ہو

بے تکلّف آبسا ہے بے بلائے دل میں جو
آرزو دیکھو کہیں یہ بھی اسی کا گھر نہ ہو

مے الفت میں جتنا اتنی افزوں شان ہوتی ہے
یہی وہ موت ہے جو زندگی کی جان ہوتی ہے

جو دل رکھتے ہیں سینے میں وہ کافر ہو نہیں سکتے
محبّت دین ہوتی ہے وفا ایمان ہوتی ہے

پیامِ زندگی ہے اضطرابِ دل کی ہر کروٹ
الگ رہ لے اجل کیوں مفت میں بدنام ہوتی ہے

اک اندھا آئینہ سمجھو زمیں شہرِ خموشاں کی
بسے جتنی یہ بستی اتنی ہی سنسان ہوتی ہے

یہ پہلے سوچنا تھا شکوۂ بے التفاتی سے

تمنا دل کی خود ہی کتنی نافرماں ہوتی ہے

فریبِ شوق میں خود ہی بسائی تھی جو اک بستی

وہ اپنے ہی ہاتھوں آرزو ویراں ہوتی ہے

باندھ لی آس تو پوچھا نہ دوبارہ مجھ کو

بیچ میں چھوڑ دیا دے کے سہارا مجھ کو

کہیں رُک نہ دیا دے کے سہارا مجھ کو

عمر بے کیف ترے طول نے مارا مجھ کو

رنج وہ دے کہ خوشی یہ تو ہے اس کی مرضی

دے مگر یوں کہ جو ہو جائے گوارا مجھ کو

گم ہے احساسِ خودی ہوش کے میخانے میں

بھر کے ساقی نے یہ کیا دے دیا پیمانے میں

رونق حسن کہاں، حسن کے کاشانے میں

اٹھ لپک شعلے کی جلتے ہوئے پروانے میں

طلب بادۂ سر جوش میں غیرت کیسی

ہوش پہلے سے ڈبو رکھے ہیں پیمانے میں

سوزشِ دل نہ سہی شعلۂ رخسار سہی

جمع ہیں دونوں سوا ایک ہی افسانے میں

بندۂ عشق، نہیں حُسن کا مُنکر اے شیخ
اِک صنم اور سبھی دل کے صنم خانے میں

کیوں انا الحق وہ کہے واصلِ حق جو ہو جائے
کچھ ابھی بُوئے دُوئی ہے ترے دیوانے میں

یاد کو مُردہ تمنّاؤں کی دل سے کیا کام
خاک اُڑنے کو بہار آئی ہے ویرانے میں

آرزو خود مُئے کیفیت میں آجائے گا کیف
اور یہ کُہسر دور گذارو ابھی میخانے میں

یہ چار حرف غضب ہیں مرے فسانے کے
ورق اُلٹتے چلے جاتے ہیں زمانے کے

ہر ایک کُنج گلستاں ہے آج خس بہ دہن
کہ دن گُذر گئے سبزے کے لہلہانے کے

امین راز ہیں ہم شمعِ بے حجاب نہیں
جو دل جلے بھی تو آنسو نہیں بہانے کے

جگہ پناہ کی اب باغ میں کوئی نہ رہی
کہ چبھتے رہتے ہیں تِنکے بھی آشیانے کے

ہیں کائناتِ غم اب آرزو بھی آنسو!
بچے کھچے ہوئے موتی لٹے خزانے کے

وہ دن کا رات کرنا ہو کہ ہو شب کا سحر کرنا
کریں جب یہ کہ ہو اس جھوٹی دنیا میں بسر کرنا
تمہیں یوں جانتے ہو ناوکِ بیداد سر کرنا
کہ ترکش ہی میں رہنا اور کلیجے سے گذر جانا
مری موہوم سی اُمید بھی کیا ہمت افزا ہے
کہ بے تاثیر نالوں کو سمجھ لینا اثر کرنا
ندیموں کی یہ بے صبری ہمارا صبر کھو بیٹھی!
کسی کو بھی نہ آیا باخبر ہو کر خبر کرنا
خوشی کا جوش بھی دنیا میں غم کی شان رکھتا ہے
ہمیں آتا ہے ہنس ہنس کر بھی اپنی آنکھ تر کرنا
عوض آرام کے ہر دم خلش سی دل میں رہتی ہے
تمہیں آیا تو آیا پھانس بن کر دل میں گھر کرنا
تقاضہ ہے یہی نیرنگ سازی کا زمانے کی
جو کام اک مرتبہ کرنا نہ پھر وہ عمر بھر کرنا
ہماری زندگانی اک گذرگاہِ حوادث ہے

عجب ہے شمع کا آندھی کے جھونکوں میں بسر کرنا

محبت میں اٹھا کر رنج پچھتانا ہے بے معنی
کہ پھر کرنا وہی دُنیا میں کچھ ہم کو اگر کرنا
نہ پوچھو آرزو کچھ سرعتِ رفتارِ نیرنگی
وہی دنیا نئی معلوم ہوتا جب نظر کرنا

بدلتی رہتی ہے اس طرح حالت دردِ پنہاں کی
نئی ہی زندگی جو سانس ہے بیمارِ ہجراں کی

جو کچھ سامان قبل از وقت ہو اس پر بھروسہ کیا
کسے معلوم ہے رہیں ہیں کیا شہرِ خموشاں کی

ہٹا دامن سے نظریں دیکھ قاتل اپنی سرخ آنکھیں
کہاں تک اُڑ کے چھینٹیں آئی ہیں خونِ شہیداں کی

ہم ایسے بے نشاں مٹنے پہ بھی اپنا نشاں خود ہیں
بُجھے دل کی اداسی شمع ہے گورِ غریباں کی

بس اے یادِ وطن بس کر دھواں اُٹھنے لگا دل سے
سیاہی بڑھتی جاتی ہے مری شامِ غریباں کی

نہ مٹنے پر بھی یہ دل تھا۔ مٹے پر بھی یہی دل ہے
فسردہ شمع اک رونق ہی جس سے ہر شبستاں کی

نہ اُلجھیں خارِ صحرا کے تو یہ ان کی ہے کوتاہی!
نہیں دامن سے کم وسعت ہی کوئی چپٹ گریباں کی

غضب ہے موسمِ گل میں تڑپتے دل کی ہر کروٹ
شگاف آتے چلے جاتے ہیں دیواروں میں زنداں کی

مٹا لیں دہشت اپنی چارہ گر اے آرزو ورنہ
مری وحشت نہ ہے پابندِ صحرا کی نہ زنداں کی

یوں دور دور دل سے ہو ہو کے دل نشیں بھی
ہیں تو اسی جہاں میں ملتے نہیں کہیں بھی

کم ایک قبر سے ہی مجھ کو یہ کل زمیں بھی
مر رہنے کا ٹھکانا ملتا نہیں کہیں بھی

طوفانِ بحر خود ہیں بڑھتی امنگیں دل کی
کشتی قرار لے گی ہو کر نہ نشیں بھی

ہے زلزلوں کی بانی خانہ خراب قسمت
تربت نہ ہو مبیسّر شق ہو اگر زمیں بھی

امکاں کی حد کے اندر، کوشش کی حد سے باہر
دل جس کو ڈھونڈھتا ہے وہ ہے بھی اور نہیں بھی

ہم در رجا سے دل میں دریا کا جزر و مد ہے

ساحل نواز موجیں آئیں بھی اور گئیں بھی

اُمیدوں کی فطرت ہے بے نیازِ تسکین
کم ہو نہ بے قراری۔ آئے اگر یقیں بھی

کر پہلے دل پہ قابو۔ جامے کی پھر خبر لے
دامن بچانے والے جاتی ہے آستیں بھی

یہ ملتفت نگاہیں شیوہ دغا ہے جن کا
ہیں موجبِ سکوں بھی ہنگامہ آفریں بھی

سرگشتہ محبت دارِ محن ہیں پھر کر
دیکھ آئے گوشہ گوشہ راحت نہیں کہیں بھی

خطرہ ہیں جان جس سے، وہ جان سے بھی پیارا
رنگیں عذار شعلہ قاتل بھی ہے حسیں بھی

نیرنگیٔ تلوّن ــــــ لاحل سا ہے معمّہ
سمجھے جو تیرے تیور پڑھ لے خطِ جبیں بھی

شانِ غرور اُن کی تصویر اِک رُخی ہے
اور آرزو کی نظریں شیدا بھی ہیں حسیں بھی

دل چاہتا ہے عہدِ وفا بے وفا کے ساتھ
پینا پڑے گا زہر ملا کر دوا کے ساتھ

تو وہ نہ رہا گو تری یاد وہی ہے
تاثیر ہوا ہو گئی فریاد وہی ہے

اُمید نے اب چھوڑ دیا ساتھ وگرنہ
بازو وہی، تیشہ وہی فرہاد وہی ہے

اِک زخم کے بھر آنے پہ کیا خاک ہنسی آئے
پھر دل ہے وہی ناوکِ بیداد وہی ہے

اے مجمعِ اندوہ و الم دل کو دعا دے
جس دم سے سب آباد ہیں برباد وہی ہے

دیکھو تو زرا شکل پشیمانِ ستم کی
کہتے نہیں بنتا کہ یہ جلّاد وہی ہے

تصویرِ محبّت کا ہر اک نقش ہے دلچسپ
تعمیر وہ ہو یا نہ ہو بنیاد وہی ہے

سانس اُکھڑی مگر رشتۂ اُلفت نہیں ٹوٹا
مر کر بھی نہ ہو ختم یہ میعاد وہی ہے

غم بھیس بدل جانے پہ بھی غم ہی رہیگا
ایذا میں ہنسی آئے تو فریاد وہی ہے

نعمت کی کمی کیوں ہو پھر اُسے لذّتِ آزار
جب میں وہی میرا ستم ایجاد وہی ہے

اِتنی مہک اے آرزو اور سوکھا ہوا پھول
پیری ہے تو کیا ذوقِ خداداد وہی ہے

رشتۂ وفا کا دل نے اک بار توڑ ڈالا
الکفر بنا یہ کافر زنّار توڑ ڈالا
میرے غریب دل میں رکھا ہی کیا تھا ظالم
اک خوشنما سا شیشہ بیکار توڑ ڈالا

رُو دیا کون وفا اپنی جتلانے کے لئے!
جان بے چین ہی پھر جسم میں آنے کے لئے!

رُوح کو پیکرِ خاکی ہی سرائے فانی
کوئی آنا ہے یہ آنا کہ ہے جانے کے لئے

کامیابی کی بنا ہے مری ناکامیٔ شوق
راہ اِک ہو گئی ہموار زمانے کے لئے

ہم بھی کیئیاد کریں گے تجھے اے دارِ محن
چند دن زیست کے وہ بھی دُکھ اُٹھانے کے لئے

دُکھ مجھے ختم کریں کردوں دُکھوں کو میں تمام
کہ نہ رہ جائے کوئی روگ زمانے کے لئے

اب تو ہر ناز ہے قاتل، ہر ادا قاتل ہے!
بھولی باتیں تھیں فقط دل ہی سمانے کے لئے

آرزو دیکھ زمانے کے بدلتے نقشے
ہر گھروندا وہ بناتے ہیں مٹانے کے لئے

اگر کسی پہلو پہ طبیعت نہیں جاتی! دل جاتا ہی دم جاتا ہی اُلفت نہیں جاتی
مٹادی شوق کی قیمت لٹا کے شربتِ دید جمالِ بیش بہا اور اِتنی ارزانی

ان میں سو رنگ سے گو بادِ صبا آ کے گئی
نہ مگر میری تباہی کی ہوا آ کے گئی

اثرِ نالۂ مبارک کہ وہ نمانِ نسل یہ کہے
دل ہلاتی یہ ابھی کس کی صدا آ کے گئی

تھا محبت بھری اک سانس کا وقفہ کتنا
اتنی ہی دیر میں سو بار حیا آ کے گئی

الحذر خوگرِ نعمت کا زوالِ نعمت
بن گئی جاں پر جب کوئی بلا آ کے گئی

بس یہیں تک تھی وہ نامہ و پیغام کی حد
نہ صبا جا کے پھر آئی نہ ہوا آ کے گئی

زندگی کی ہوئی ضامن یہ توجہ کس کی
تھرتھراتی ہوئی بسمل کی قضا آ کے گئی

دل کی لو ہے وہ زباں جس سے کھلیں گوشِ قبول
اس کو جانے ہی دو وہ لب تک جو دعا آ کے گئی

اس تلوّن پہ بھی یاد اس کی ہو کیا تختۂ مزاج
دل میں جم کر نہ رہی عمر بھر آ آ کے گئی

ہر نفس گردشِ نیرنگ کا محور ہے نیا
وہ پلٹ کر نہ پھر آئی جو فضا آ کے گئی

کیا بنا دیگا نہ جانیں تجھے بڑھنا ہوا حسن
ناز سکھلاتی گئی جو بھی ادا آکے گئی

آرزو مستیٔ شب بن کے رہا دن کا خمار
جستجو مستیٔ جیب کوئی متوالی گھٹا آکے گئی

ہے مگر جس کا دہی اُمیّد بر آجائے گی
پردے آنکھوں سے اُٹھا صورت نظر آجائے گی

رکھ تو بے آسی میں باقی آس کا بھی سلسلہ
تو کسی عالم میں بھی ہوگا خبر آجائے گی

ہر مصیبت کی بھی اک حد اس پہ گھبرانا ہی کیا
موت کی تو کیا خبر راحت مگر آجائے گی

رہبرِ محفل نہ ہوئے گرمیٔ محفل تو ہوئے
شمعِ تاباں نہ سہی جلتا ہوا دل تو ہوئے

نہ سہی خاک کے پتلوں میں صفاتِ ملکی
بارِ اس بارِ وفا کے متحمّل نہ ہوئے

پرسشِ غمزدگان بہرِ تفنّن ہی سہی
خیر سے آپ بھی اس بزم میں شامل نہ ہوئے

حوصلے دل کے محبّت میں جو بڑھتے ہی رہے
کر کے ہمّت ترے غمزوں کے مقابل تو ہوئے

بے اثر آہ سے بھی اتنی تسلّی ہے ضرور
منھ تکا کرتے تھے جو وہ کسی قابل تو ہوئے

آن رکھ لی تری شمشیرِ ادا کی یوں بھی
جن کو مرنا نہیں آتا تھا وہ بسمل تو ہوئے

سینۂ صبر سبھی پاک دلوں کے ناسور
ایسے مقتول بھی اک طرح کے قاتل تو ہوئے

اشکِ دشمن کی تلافی کو یہ پہلو نہیں کم
غم جانکاہ محبّت کے وہ قائل تو ہوئے

خود سے دکھ مول لیں کام کچھ آسان نہ تھا
کھا کے اِک چوٹ مرے درد کے حامل تو ہوئے

خودکشی میں تو خلل آرزو آیا لیکن
ہاتھ ان کے مری گردن میں حمائل تو ہوئے

داد بیداد جس سے ملتی ہے! وہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا
ڈھونڈھنے پر وہ مِل ہی جاتے ہیں تو پھر اپنا پتہ نہیں ہوتا

اک بیخودیِ الفت کو اچھا نہیں ہوش آنا
منزل سے ہٹا دیگا رستے کا بدل جانا

نورمزِ محبت کو خود سمجھا ہے کیا ناصح!
پہلے تو سمجھنا ہے بعد اس کے ہے سمجھانا

خودداری و بیتابی یہ فیصلہ کرتی ہے
بے پر ہو تو ہے شعلہ، پر ہیں تو ہے پروانا

اے دردِ بدل کروٹ دلِ مردہ سہی بدتر ہے
موقوف تجھی پر ہے پیغامِ عمل لانا

دیوانگیِ دل کے مضبوط عقیدے نے
آشوبِ جہاں کو بھی آشوبِ نظر جانا

دیوانگیِ دل کا بے ربط سا افسانہ
ہنس ہنس کے سنا پہلے سمجھے تو بُرا مانا

اے عمرِ رواں تجھکو اک روز تھکا دیگا
یہ سانس کا سینے تک آ آ کے پلٹ جانا

جو ہیں وہ رہینگے ہم مانو کہ نہ تم مانو
سچّوں کا نہیں شیوہ کچھ کہہ کے قسم کھانا

مستی میں بلانوشی ہے کیف کی بے کیفی
چھلکے ہوئے ساغر کا اچھّا نہیں چھلکانا

ہے ہوش کے مسلک سے منزل کہیں دور اپنی
گم ہونے پہ ٹھہرا ہے اپنا بھی پتہ پانا

بے آس بنوں کیوں میں اے شمع پسِ پردہ
بدلی میں دیکھا ہی نہ لمحے کا جھلک جانا

بس آرزو اس ضد کا چارہ نہیں چپ رہ کر
جو بات بھی سمجھائی ظالم نے بُرا مانا

دل کو جس شوق میں قرار نہیں
خود اسی کا کچھ اعتبار نہیں

کوئی اُمید پائیدار نہیں
موت پر بھی تو اختیار نہیں

ہائے رے زہرِ غم تری لذّت
تلخ ہے پھر بھی ناگوار نہیں

داغِ غم ہی سے دل لگا لیتے
پھُول پہ بھی سدا بہار نہیں

بند آنکھوں میں بھی تمہیں تم ہو
ہم نہ دیکھیں یہ اختیار نہیں

اے نفس کہو نہ اعتبارِ جنوں

کس لئے تلخ زندگی کی دعا
اب گریباں میں کوئی تار نہیں

اُف تری بزمِ ناز کے آداب
نہیں اے میرے غمگسار نہیں

موت ملتی تو باندھ لیتے عہد
ہوش میں ہے تو ہوشیار نہیں

دیکھ اپنا "نکھر" خاطر
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں

دل کا ہر ذرّہ ہے ہوا کا کُرّہ
مٹنے والا مرا مزار نہیں

آرزو اپنے شوق کا ہے شکار
تھک کے بیٹھے یہ وہ غبار نہیں

آپ کے شوق کا شکار نہیں

خوب دل کے عشق نے بخشا ہی کاشانہ نیا   خود نئے، دنیا نئی، پانی نیا، دانہ نیا

شوق بڑھتا ہی جنوں گر دُک گیا پھیلائے بال
سر کو پتھر سے پٹک دیتا ہے دیوانہ نیا

دل لے کے جو خوش تھے وہ پریشان بہت ہیں
اب لینے کے دینے ہیں کہ ارمان بہت ہیں

اسرارِ خودی کیا کہوں جب عام ہے محفل
دانا بہت تھوڑے ہیں نادان بہت ہیں

اس کوچہ میں لائی ہے تلاشِ درِ مقصود
ہو خاک اُڑانا تو بیابان بہت ہیں

حیرت نہیں ابنائے زمانہ کی روش پر
انسان کی صورت میں بھی شیطان بہت ہیں

ٹھوکروں میں رہگذرِ عام کی پھر دیکھ
حیوان زیادہ ہیں کہ انسان بہت ہیں

پیمانِ محبت کی کڑی سے بھی کڑی شرط
اب مان ہی لیں گے کہ پریشان بہت ہیں

دل بن چکا الفت میں تمنّاؤں کی دنیا
ہمّت ہو تو سَر کرنے کو میدان بہت ہیں

پھٹ جائیگا دل ہی جو رکے چلتے ہوئے ہاتھ
ہو جوش سلامت تو گریبان بہت ہیں

دل توڑ کے جو ہنستے ہوں وہ سوچ میں پڑ جائیں
کیا ایسا کیا ہے کہ پشیمان بہت ہیں

اے تیغِ قضا بارِ امانت سے خبردار
سر اٹھ نہیں سکتا ہے کہ احسان بہت ہیں

یکسوئی خاطر ہی میسّر نہیں ورنہ
جینے کے بھی مرنے کے بھی امکان بہت ہیں

بشّاش ہو کیا اجرِ رسالت کا طلبگار
احسان فراموش مسلمان بہت ہیں

دشوار پسندی سے بنائے اُنھیں مشکل
جو کام کہ اے آرزو آسان بہت ہیں

غم نصیبوں کا کریں کیوں اشک کیوں جاری کریں
جان آجائے تو پھر مرنے کی تیاری کریں

ہو یہ پستی ایک زینہ بامِ رفعت کیلئے
ناز جب تک آ نہ جائے ناز برداری کریں

سخت پڑتا جاتا ہے ہنگامۂ ناز و نیاز
چاہتا ہوں میں وہ پھر مشقِ ستم جاری کریں

سختیوں کے واسطے جائز بہانہ چاہئے
کافرِ الفت بنوں میں آپ حد جاری کریں

ایماں سے کہو کہ نہ ایماں سے کہو
دل مان جائے جو کہو اس شان سے کہو

اوّل تو رازِ عشق نہ انجان سے کہو
سمجھے نہ کچھ کہو بھی تو اس شان سے کہو

دلچسپ اِس قدر ہے مری داستانِ غم
ہنسنے لگے جو غمزدہ انسان سے کہو

کیوں بن رہی ہیں تیری نگاہیں زبانِ شوق
مجھ سے نہ پوچھو اپنے ہی ارمان سے کہو

کہتے ہیں دردِ عشق میں رُخ کے تغیّرات
جب حالِ دل کہو نئے عنوان سے کہو

کرتی ہے رازداری وحشت زبان بند
دامن کا حال بھی نہ گریبان سے کہو

لہریں ہیں برقِ حسن کی بھی آہ گرم میں
جو راز دُو کا ہے نہ وہ اعلان سے کہو

آنسو دکھائیں جوش کہ نالے مچائیں شور
ہی دردِ عشق ایک ہی جس شان سے کہو

اب تک تڑپ سے دل کی ہیں دنیا میں زلزلے
میں بے خبر ہوں یہ کسی نادان سے کہو

اظہارِ غم میں ڈر نہیں افشائے راز کا
نالوں نے کیا کہا تمھیں ایمان سے کہو

جب تک نہ کوئی امن کا صحرا نظر میں ہو
بے سود کیوں نکلنے کو زنداں سے کہو

کشتیِ شوق موج شکن ہے تو بے خطر
آنا کدھر سے ٹوک کے طوفان سے کہو

خلوت میں چھپ کے جو پہونچتی ہے زہر یاد
اب اس کے روکنے کو بھی دربان سے کہو

رُکتی ہوئی زباں کی لکنت ہے دل کا چور
جو کچھ کہو وہ آرزو اعلان سے کہو

وہ کامیاب نغاں بھی جو کامیاب نہ تھا
سحر تک آنکھوں میں تم پھر رہے تھے خواب نہ تھا
جگر کے سوز سے دن ہو رہا تھا رات کو بھی
جہاں تیرہ مرا جس میں آفتاب نہ تھا
وہ خاص جلوہ پسِ برق طور کیا ہو گا
نظارہ سوز تھا اس پر کہ بے نقاب نہ تھا
حسین شعلہ بھی مجبور اپنی خو سے ہے

وگرنہ جان جلانا کوئی ثواب نہ تھا
الگ تھا شمع سے جب تک نہ سوزِ پروانہ

تڑپ وہی تھی مگر نامِ اضطراب نہ تھا
ہوائے شوق ہی بنیاد ہے تباہی کی

وہ بے خطر تھا جو قطرہ ابھی حباب نہ تھا
لحد سے جانبِ محشر چلے تو ہوش آیا

کہ یہ بھی تھی کوئی غفلت علم کا خواب نہ تھا
نہیں وہ اگلی سی رونق دیارِ ہستی کی

تباہ کن کوئی طوفان تھا شباب نہ تھا
ہجومِ جلوہ میں ٹھہری نظر جو ایک جگہ

نوازش آپ کی تھی میرا انتخاب نہ تھا

افسردہ ہر چراغ تو محفل اُداس ہے
سارا جہاں اُداس ہے جب دل اُداس ہے

رنج اچھا ہے غم اچھا ہے ملال اچھا ہے
دوست کی جسمیں خوشی ہو وہی حال اچھا ہے

زندگی کیوں ہے جو ساماں زندگی کا لُٹ گیا
آسرے سب دل کے ٹوٹے پاس جو تھا لُٹ گیا

دل ہے وہ اُجڑا ہوا گھر بجھ چکا جس کا چراغ
آنکھیں کچھ دیکھیں تو بتلائیں کہ کیا کیا لُٹ گیا

جس کا چاہے گھر لگا ڑے موت پر کس کا ہے بس
سب کھڑے دیکھا کیے اور لُٹنے والا لُٹ گیا

آرزو اُجڑے چمن سرسبز ہیں آئی بہار
نخلِ حسرت اب نہ پھولے گا یہ ایسا لُٹ گیا

حیا ڈالے گی اُلجھاوے بیاں میں
یہ دیکھو آ چلی لُکنت زباں میں

حسد کے خار و خس ہیں بوستاں میں
بسر کرتا ہوں جلتے آشیاں میں

زُلیخا اب کہاں لے خود پسندی
ہیں سب یُوسف ہی یُوسف کارواں میں

گلوں کی قدر رہوتی کیا کسی کو
اگر کانٹے نہ ہوتے بوستاں میں

یہی خواری بنا دیتی اگر خار

کھٹکتا اور چشمِ باغباں میں

محبّت ہے حریفِ دادخواہی
اثر آنے نہیں پاتا فغاں میں

وفا کو بے وفائی کا گلہ کیوں
اگر خامی ہے خود اپنے گماں میں

کہاں نالہ کہاں ہیں دل شکستہ
جُڑے گا تیر کیا ٹوٹی کماں میں

وفا بھی آزما دیکھے جفا کو
بڑھائے جاؤ سختی امتحاں میں

بگڑتے رہتے ہیں بن بن کے نقشے
چھپے ہیں کتنے دور اس خاکداں میں

یہاں تک آرزو دل ہٹ چکا ہے
کہ مشکل ہو گیا رہنا جہاں میں

ختم ہی جوانی پر دل کی جو کہانی ہی
ہی یہ سچ تو یہ سمجھ عاشقی جوانی ہی

دے دے کے اشتعال لگاوٹ نے موکی
حالت خراب کر دی دل ناصبور کی

مصیبت میں بھی راحت ہے جو مجھ پیش بینی ہے
یہ گل چینی نہ بن آئی تو پھر سر آزار چینی ہے

دبا کر حق غریبوں کا نہ دکھلا ٹھاٹھ امیروں کا
جو ذلت دے کے حاصل ہو وہ عزت بھی کمینی ہے

قیامت ہر طرف فریاد مشتاقاں سے ہے برپا
یہ اک ہنگامہ آرائی ہے یا غزلت گزینی ہے

تمہارا حسن تو کچھ کم نہیں ہے اشتعال آگیں
جو ابتک بڑھ کے تھامے ہے وہ میری پاک بینی ہے

محبت کی ریاضت رائگاں تو جا نہیں سکتی
اگر ناکام مرنا ہے تو پھر جلنا یقینی ہے

وہ جب سے چھپ کے بیٹھے ہیں پھرا کرتے ہیں نظروں میں
یہ شوخی خود نمائی کی ہے یا پردہ نشینی ہے

محبت ہے دل اور پیمان وفا کا توبہ کر توبہ
یہ تیری دور اندیشی بڑی کوتاہ بینی ہے

بتان دہر قبضہ کر رہے ہیں کعبۂ دل پر
بچائے آ کے اس آفت سے جس میں درد دینی ہے

بہت اب بجلیاں چمکا رہا ہے حسن بے پروا
یہ بے چینی نہ جانیں کس تڑپتے دل سے چھینی ہے

بدلتا اک ذرا چتون کہ قتلِ عام ہو جاتا
تری نازآفرینی بھی ہلاکت آفرینی ہے

طلسمِ وہم کس بنیاد پر آخر ہوا قائم
مرادعوائے باطلِ آرزو کچھ تو یقینی ہے

اس کا کیا رونا کہ غم میں مبتلا ہو جائینگے
دل مزے لیگا جو لذت آشنا ہو جائیں گے
کون ابھی جانے وہ آگے بڑھکے کیا ہو جائیں گے
کس کے دل کا درد کس کا آسرا ہو جائیں گے
اِک گرہ کھلنے سے لاکھوں عقدے وا ہو جائیں گے
بکھرے بال ان کے تو آشوب بلا ہو جائیں گے
ہم کو ترکِ مدّعا پر جب بھی قدرت ہو گئی
دیکھ لینا آپ اپنا مدّعا ہو جائیں گے
شوق چڑھتی دھوپ جاتا وقت گھٹتی چھاؤں ہے
باوفا جو آج ہیں کل بے وفا ہو جائیں گے
اپنی اپنی گردشِ رفتار پوری کر تو لیں
دو ستارے پھر کسی دن ایک جا ہو جائیں گے
گردشِ قسمت میں کوئی آخری منزل نہیں

انتہا تک جاتے ہی پھر ابتدا ہو جائیں گے

سختیاں صبر آزما ہیں دادگر ظالم نہیں
رک سکے نالے تو بے پہونچے رسا ہو جائیں گے

غیر کو اپنا رہا ہے یوں کرم صیّاد کا
بیڑیاں پڑ جائیں گی جس دن رہا ہو جائیں گے

شوق معنی آفریں ہے بدگمانی دل کا چور
چپ رہے تو بھی سراپا التجا ہو جائیں گے

چوٹ ابھر آنے تو دے اے چارہ گر تکتا ہے کیا
درد بن جانے پہ خود اپنی دوا ہو جائیں گے

دل ہو دل کا آئینہ پھر بھی نظر ملنا ہے شرط
کچھ کہیں یا چپ رہیں مطلب ادا ہو جائیں گے

سر بکف میں بڑھ رہا ہوں چپ ہیں وہ اس سوچ میں
خون بہا لیں گے تو خود ہی خوں بہا ہو جائیں گے

کیا خوشی اے آرزو پیماں شکن کے عہد کی
قہقہے یہ ٹوٹتے دل کی صدا ہو جائیں گے

دل سہارے دینا ہی کیا کیا اُسے بھی یاد رکھ
اور بھی پہلے الگ ہو گا اسے بھی یاد رکھ

پہلے قسمت نے کہا رنج اٹھانا ہوگا
پھر دیا حکم کہ یہ غم بھی بھلانا ہوگا

داغِ دل پھول بنے آگئی پھولوں پہ بہار
یعنی ان پھولوں کا اک ہار سہانا ہوگا

بن چکا ہار تو گرنے لگے مرجھا کے وہ پھول!
دُکھ کی رُت کہتی ہے یہ سُکھ بھی گنوانا ہوگا

آرزو میں یہی نیرنگِ زمانے کے اگر
اِک مٹانا تو پھر اک نقش بنانا ہوگا

جو شوخیاں چھپی ہیں فطرت کا راز ہو کر
اُبھریں گی اک نہ اک دن انداز و ناز ہو کر

اس طرح دل سے کھیلے وہ مستِ ناز ہو کر
آئینہ توڑ ڈالا آئینہ ساز ہو کر

اس کے نصیب جس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ لے
کچھ لڑکھڑا رہا ہے وہ مستِ ناز ہو کر

پروانے کے تھکے پر کیا تحفہ لا رہے ہیں
پھیلا رہا ہے دامن شعلہ دراز ہو کر

لالچ بھری محبت نظروں سے گر نہ جائے
بد اعتقاد دل کی جھوٹی نماز ہو کر

غم تھا طویل قصہ نا کافی اشکِ حسرت
پھر بھر دیا خزانہ دل نے گداز ہو کر

پروانۂ محبت درسِ عمل سے اپنے
قاتل بنا ہوا ہے مقتول ناز ہو کر

کیا ہنس کے پوچھتے ہو مرنا ہی کس کے غم ہیں
نادان بن رہے ہو دانائے راز ہو کر

مشتاق دید آنکھیں رستے کو ڈھونڈھتی ہیں
کچھ دیر بند رہ کر کچھ دیر باز ہو کر

مجرم کہیں بنا دے معصومیت نہ ان کی
لالچ میں آ رہا ہے دل پاکباز ہو کر

اے آرزو وہ جس دن شکووں کا دیدے موقع
محشر کو مات کر دے وہ دن دراز ہو کر

پردے ہزار ڈالے نیرنگ ساز ہو کر
کھل ہی گئی حقیقت آخر مجاز ہو کر

یا قتل عام ان کا وہ مست ناز ہو کر
یا پھر جلا رہے ہیں عاجز نواز ہو کر

گھنگھور ہیں گھٹائیں لہروں میں بجلیاں ہیں
اندھیر ڈھا رہی ہیں زلفیں دراز ہو کر

حدِّ نیاز مندی اب ناز کے ہے قابل
تختہ اُلٹ چکی ہے پستی فراز ہو کر

آزارِ کشش کا نالہ بدلہ بھی لے تو کیونکر
خود بجھ کے رہ گیا ہے آہن گداز ہو کر

دیدار کا جو شربت تھا ظرف سے زیادہ
پی بیٹھیں بازدعوے آنکھیں بھی باز ہو کر

پیمان شکن وعدہ ڈھارس تو دے رہا ہے
پھر پیچ سے نہ ٹوٹے رسّی دراز ہو کر

ٹھکرا دی ہے اس نے نفرت سے دل سی نعمت
نظریں گڑی ہوئی ہیں دندان آز ہو کر

ہستی کا ہر مرقع آئینۂ عدم ہے
وہ راز ہی نہیں جو رہ جائے راز ہو کر

تکمیلِ سوز ہی ہیں تشکیلِ حُسن دیکھی
خود شمع بن رہا ہے شعلہ دراز ہو کر

خوئے جفا نے کی تھیں پابندیاں جو عائد
اب ہو رہی ہیں نافذ آئینِ ناز ہو کر

ہستی میں آرزو کو منزل کی جستجو نے
لمبے سفر میں ڈالا عمرِ دراز ہو کر

کھینچ کر لوگ ترے در سے لیے جاتے ہیں
کیا محبّت کے صِلے یُوں ہی دیئے جاتے ہیں

طالبِ رحم پہ ظلم اور کیے جاتے ہیں
پھڑپھڑاتا ہے تو پھر نوچ دیئے جاتے ہیں

جو بھی ٹانکا ہے وہ اک داغ ہے رُسوائی کا
ہائے وہ چاک گریباں کہ سِیئے جاتے ہیں

دل کی قسمت ہی بُری ہو کہ جو لینے والے
لالچ آنے پہ بھی انکار کیے جاتے ہیں

یہی جینا ہے تو مرنے کو بُرا کیوں کہیئے
کوئی اُمید نہیں پھر بھی جیئے جاتے ہیں

دل کے دشمن وہ نہیں خو سے ہیں اپنی مجبور !
پیار بھی کرتے ہیں چر کے بھی دیئے جاتے ہیں

اب شکایت کا جو موقع نہیں ملتا کوئی
جھوٹے الزاموں سے بدنام کیے جاتے ہیں

کیا مٹے داغ کہ بھولا نہیں کہنا ان کا
کھو نہ دینا یہ نشانی جو دیئے جاتے ہیں

دل یہاں، شوق یہاں، جان یہاں چین یہاں
میں نہیں لاش، ہر اک جس کو لیے جاتے ہیں

آرزوؔ چل اُسی میخانۂ غم میں کہ جہاں
تلخ بھی گھونٹ مزے لے کے پیئے جاتے ہیں

جو دل ساتھ چھٹنے سے گھبرا رہا ہے
وہ چھپتا نہیں اور پاس آ رہا ہے

ہمیشہ کو پھولے پھلے گا یہ گلشن
ابھی دیکھنے کو تو مرجھا رہا ہے

ہر اک شام کہتی ہے پھر صبح ہوگی
اندھیرے میں سورج نظر آ رہا ہے

اگر دھوپ آگے بڑھی جا رہی ہے

تو سایہ بھی دوڑ اچلا جا رہا ہی

ستارے بنیں گے چمکدار آنسو

یہ رُونا ہنسی کی خبر لا رہا ہی

اگر دُکھ نہیں ہی تو سُکھ بھی نہیں ہی

زمانہ یہ پہچان بتلا رہا ہی

تھکن آرزو راہ کی کہہ رہی ہے

کہ آرام بھی ساتھ آرہا ہی

طُولِ رہِ معدوم ہی وہ عزمِ راسخ دل میں ہی

اک قدم گھر میں ابھی تک اک قدم منزل میں ہی

آپ ہوے لَوٹ تو شکوے کی گنجایش کہاں

ہی وہ کھوٹ اپنے ہی دل کی جو پڑا دل میں ہی

ہی خودی میں بھی خموشی بے خودی میں بھی سکوت

حل ہو کیونکر یہ معمہ کون کس منزل میں ہی

جوششِ تکمیلِ وفا اور مدّعا کچھ بھی نہیں

دل ہی یہ جانے کہ کیا اس سعیِ لاحاصل میں ہی

جس قدر نفرت بڑھائی اُتنی ہی قربت بڑھی

اب جو محفل میں نہیں ہی وہ تمھارے دل میں ہی

بھیک کس کی جیب مکمل شان و ناداری نہیں
مجھو بے حق ٹھیکرا بھی گر کفِ سائل میں ہے

چلتے چلتے دیکھئے کس جا گرانی ہے تھکن
طاقت پا اس سے کم ہے جتنی ہمت دل میں ہے

ہوش و بیہوشی کی منزل ایک ہے رستے جدا
خشک و تر سارے جہاں کا لبِ لب ساحل میں ہے

ہے حقیقت بھی نگاہ یاس میں رنگِ فریب
پھر وہ اٹھا چاہتا ہے جو قدم منزل میں ہے

آپ جو چاہیں وہ سب ہو ہم جو چاہیں کچھ نہ ہو
یہ بھی وہ انصاف ہے جو آپ ہی کے دل میں ہے

بھیک کیسی چھن چکی ہے آرزو کشکول تک
جال قسمت کی لکیروں کا کفِ سائل میں ہے

لب ہی ابرو پر نہ خنجر ہی کفِ قاتل میں ہی
کیا یہ اب بے موت مر جائے جو حسرت دل میں ہی

یہ دلِ افسردہ جس کی منزلت ہر دل میں ہی
آپ اندھیرے میں پڑا ہے روشنی محفل میں ہی

دل سلامت آچکا پھر کر دیارِ حسن سے
سیکڑوں قاتل ہیں اور ایک بات ہر قاتل میں ہی

گر نہ ظالم دیکھے جگر کا خون اپنے شوق کا
ہی تڑپ موجود لیکن دم کہاں بسمل میں ہی

عشق کا آوارہ گرد اُٹھکر چلا پھسل کر گرا
اور نہیں معلوم اب تک کونسی منزل میں ہی

ایک دل پتھّر بنے اور ایک دل بن جائے موم
آخر اتنا فرق کیوں تقسیم آب و گل میں ہی

اے دل دیوانہ کیوں تھکتا ہی، پہلے یہ تو سوچ
پیچھے پیچھے جس کے تو ہی کون اس محمل میں ہی

مانگنے والے بھروسہ دینے والے پر تو کر
مال کیا دل تک سخی کا کاسۂ سائل میں ہی

روکتے ہیں ہر قدم آ آ کے جھُوٹے آسرے
ایک مرنے کی تمنّا، وہ بھی کس مشکل میں ہی

یہی اک شے بتلاتی ہے جو فرقِ دوئی
دل میں جب وہ ہیں تو بےچینی سی پھر کیوں دل میں ہے

حُسن کی منزل سے اونچی ہے منزل عشق کی
آرزو میں اس کے دل میں ہوں جو میرے دل میں ہے

بغور دیکھ رہا ہے اداشناس مجھے
بس اب ذلیل نہ کر اے نگاہِ یاس مجھے

یہ دل ہے شوق میں بیخود، وہ آنکھ نشہ میں چور
جُھکا نہ دے سوئے ساغر بھڑکتی پیاس مجھے

اِدھر ملامتِ دُنیا، اُدھر ملامتِ نفس
بڑا عذاب میں آئے ہوئے حواس مجھے

پلٹ دو بات نہ لو منہ سے نام رخصت کا
ابھی سے گھر نظر آنے لگا اُداس مجھے

جو ملتفت ہیں یہ نظریں بدل بھی سکتی ہیں
بنا چکا ہے زمانہ اداشناس مجھے

حسد مجھ سے سب کو ہے اس انجمن میں
محبّت نے بوئے ہیں کانٹے چمن میں

نگاہوں میں ہوں خار، دُگل ہوں چمن میں
کوئی مجھ کو دیکھے تری انجمن میں

وہی خارِ بَن ہیں وہی گُل چمن میں
بدلتے رہے بھیس ہر انجمن میں

چمک کر بتلاتے ہیں ذرّے زمیں کے
کہ لاکھوں ہی چاند آچکے ہیں گہن میں

ہر اقرارِ اُلفت میں یُوں کر رہا ہوں
زباں پہ جیسے ان کی ہے میرے دَہن میں

پسینے سے اچھّا نہیں عطر کوئی
ارے غیر کی بُو ترے پیرہن میں

ہنسی پر جو ان کی رُکے بہتے آنسو
بس اِک آگ سی لگ گئی تن بدن میں

وفا پر اُبھارو نہ اک منچلے کو!
خدا جانے کر بیٹھے کیا بانکپن میں

شہیدِ وفا ہے شہادت سے عاجز
لہو کا بھی دھبّہ نہیں ہے کفن میں

غضب ہیں ہوائے جنوں زا کی موجیں
شکن پہ شکن پڑتی ہے پیرہن میں

جلے دل کی باتیں بنیں جب نہ کہتے
زباں رہ گئی شمع بنکر دہن میں

وہ غارتگر دیں کرم کیا کرے گا
محبّت نہ ڈھونڈھو دلِ راہزن میں

محبّت کے پیمانِ نازک کی طاقت
ذرا دیکھیے بازوئے کوہکن میں

کرے غیرتِ عشق کس طرح باور
مرا خلوتی اور بھری انجمن میں

وہی آرزو کا ہے آئینِ اُلفت
نکل جائے جو منہ سے دیوانے پن میں

آج اپنی محنتوں کا مجھ کو ثمر امل گیا
جس میں خود کھویا ہوا تھا میں وہ صحرا مل گیا

رہ گیا ملنے سے کیا جب چین دل کا مل گیا
پھول یہ ہاتھ آگیا تو باغ سارا مل گیا

یاس میں امید جھلکی موج کشتی بن گئی
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا مل گیا

سوکھے پتے جھاڑ کر سبز ہوتے ہیں شجر!
جتنا کچھ لٹتا رہا اس سے زیادہ مل گیا

بڑھ کے تھا اُمید سے میری ترا جوشِ کرم
ایک چلو کی طلب تھی اور ایک دریا مل گیا

راہ کی ٹھوکر بنی تھی اپنے ہی دل کی جھلک
جو قدم آگے بڑھایا صاف رستا مل گیا

آرزو تسکین دل کو آرزوئیں بے شمار
یہ نہ سوچو کیا نہ پایا یہ کہو کیا مل گیا!

اندوہ و غم و درد سبھی اپنے لئے تھے!
یہ ہیں وہی تحفے جو محبّت نے دئے تھے

آغازِ کرم بن کے رہا خاتمۂ جور
اُمّید تھی کچھ تو کہ جو مر مر کے جئے تھے

ساقی نے جب آنکھوں کی قسم دی تھی کئی بار
ہاں یاد تو پڑتا ہے کہ دو جام پئے تھے

جور ان کے اٹھاتا ہے تو رحم آتا ہے دل پر
وہ بھول گئے آپ جو کچھ جبر کئے تھے

وہ سامنے ہیں جب میں کھڑا ہوں دمِ پرسش
اب یاد کہاں آتا ہے کیا ظلم کئے تھے

دل لے کے بھی اے آرزو اپنے نہ ہوئے وہ
کچھ کھو کے یہ جانا کہ بڑے مطلبی تھے

پاؤ گے زندہ دل غم زدہ انسانوں میں
مے یہ ٹپکتی ہے تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں

اب وہ دیوانے نہیں ہیں تو منانے کو جنون
کچھ بگولے نظر آجاتے ہیں ویرانوں میں

پہلے جب عشق نے اونچا کیا ان کا نام

پھر اسی عشق نے رکھا نہیں انسانوں میں

نہ جگہ رُوک تمنّاؤں کی اے داغِ فراق!
تو نہیں میرے بُلائے ہوئے مہمانوں میں

تیرا دامن تو ہے بے داغ مگر اے شمعِ حرم
روشنی پہونچی کہاں سے یہ صنم خانوں میں

عمر بھر یہ بھٹکتے ہوئے دوڑ رہے جبر سہتے!
اتنی میعاد کٹی سیکڑوں زندانوں میں

سرِ شوریدہ کی گرمی کو ہے پیغامِ عمل
یہ کڑی دھوپ کہ پھیلی ہے بیابانوں میں

مدتیں ہو گئیں ٹوٹے ہوئے دل کا شیشہ
اور صدا آج بھی گونجی ہوئی ہے کانوں میں

کششِ حُسن بھی آشوب بلا سے نہیں کم
شمع آئی تھی کہ بس گھر گئی پروانوں میں

آرزو فیض کا ساقی کے اُبلتا چشمہ
خوب دیکھا ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

رہ رضا کی فضا زندگی بڑھاتی ہے
قدم قدم پہ ہوا سانس بنکے آتی ہے

جفائے بخت پہ غصّہ مجھے دکھاتی ہے
یہ نامرادیِ جوانی کہ روٹھی جاتی ہے

نظر نواز ہے اُن کو بھی شانِ مقتلِ ناز
زمین ٹوٹے ستاروں سے جگمگاتی ہے

یہ التفات کی کافر نظر خدا کی پناہ
جو خون کرتی نہیں خودکشی سکھاتی ہے

نہ جانے کونسے نقشے کو ہو بقائے دوام
اُجاڑ اُجاڑ کے دُنیا بسائی جاتی ہے

وہ ہنس رہے ہیں آہ کیئے جا رہا ہوں میں
غم سے ترے نباہ کیئے جا رہا ہوں میں

پردے پہ بھی نگاہ کیئے جا رہا ہوں میں
کیئے جا رہا ہوں میں

اِک لالہ زارِ حُسن ہے خونِ شہیدِ ناز!
تزئینِ قتل گاہ کیئے جا رہا ہوں میں

تقدیر کا بگاڑ بنے یا نہ بن سکے
کوشش تو گاہ گاہ کیئے جا رہا ہوں میں

ایک ایک پل حیات کا ہی صرف ذکر دوست
ہر سانس کو گواہ کیئے جا رہا ہوں میں

بحرِ کرم کو جوش میں لانے کے واسطے
دانستہ کچھ گناہ کیئے جا رہا ہوں میں

منزل کا جذب طاقتِ پا سے ہے بے نیاز
تھم کر بھی قطع راہ کیئے جا رہا ہوں میں

اچھّے بُرے کے فرق کو جانے تری پسند
سادہ ورق سیاہ کیئے جا رہا ہوں میں

منزل کی جستجو میں رکاوٹ ہے طول راہ
خود زندگی تباہ کیئے جا رہا ہوں میں

دلدُوزیاں بھی تیر ادا کی نظر میں ہیں
پہلو بہ پہلو نگاہ کیئے جا رہا ہوں میں

عادت کے بعد درد بھی دینے لگا ہے لطف
ہنس ہنس کے آہ آہ کیئے جا رہا ہوں میں

تضحیک حال سے نہیں لطف خلش کو ربط
سب ہنس رہے ہیں آہ کیئے جا رہا ہوں میں

دل ترکِ وضع پر نہیں راضی ہے آرزو
دشمن سے بھی نباہ کیئے جا رہا ہوں میں

دل لذتِ غم کی نعمت پر بیجا نہیں جتنا ناز کرے
مل جائے تو اُو ہنسنے والے تو مجھ سے زیادہ ناز کرے

تاروں پہ فلک پھولوں پہ چمن ذرّوں پہ صحرا ناز کرے
کچھ اس سے الگ اے حسنِ عطا دل جس پہ ہمارا ناز کرے

دل ہو کے سراپا شوق اگر بے لوث بھی ہو تو کیا کہنا
خود حسن کی دنیا فخر کرے اور عشق کی دنیا ناز کرے

بازیچۂ الفت میں دل کی کیا اُلٹی سیدھی چالیں ہیں
ہو جیتنے والا شرمندہ اور ہارنے والا ناز کرے

پستی پہ بھی ہو اتنی اونچی ناکام محبت کی منزل:
ہو دیکھ کے حسن کو آپ خجل اور سارا زمانہ ناز کرے

آئینۂ دل کی بٹتا ہی کیا ہو جس سے کوئی جوہر پیدا
کچھ ہو بھی تو ہو تیرا ہی دیا کس چیز پہ بندہ ناز کرے

برباد محبت کو اپنی خود ڈھونڈھ کے اپنا بھید تو لو
جو ٹھوکریں کھانے میں خوش ہو پا جائے تو کتنا ناز کرے

کچھ بادہ سر جوشِ الفت پینے ہی والے پیتے ہیں
کم ظرف پیے تو چھلک اُٹھے ہو کر متوالا ناز کرے

قربان گہِ الفت میں آ کر اتنی تو دکھائے پامردی
قتال نگاہیں جھک جائیں خوں گشتہ تمنا ناز کرے

حد سے نہ گذر، سیلاب نہ بن چکر میں نہ پھنس، گرداب نہ بن!
بن ہلکی موج، مگر ایسی جس موج پہ دریا ناز کرے

یہ معرکۂ الفت وہ ہے جز فتح شکست نہیں جس میں
جینا جو بچے خود فخر کرے مر جائے تو دنیا ناز کرے

تو آرزو اپنی ہستی کو پابندِ نیاز ہی رہنے دے
ہر ظرف کا ہے اک پیمانہ جو چاہے جتنا ناز کرے

یہ داستانِ دل ہے کیا ہو ادا زباں سے
آنسو ٹپک رہے ہیں لفظیں ملیں کہاں سے

ہے ربط دونوں کو بے ربطیٔ بیاں سے
کچھ وہ کہیں نظر سے کچھ ہم کہیں زباں سے

یہ ہنستے روتے ہنسنا ترتیب ذکرِ غم ہے
آیا ہوں ابتدا پر چھیڑا تھا درمیاں سے

حاصل تو زندگی کا تھی زندگی یہیں کی
اب میں ہوں ایک جنازہ اُٹھوا دو آستاں سے

اس طولِ خامشی کا زورِ بیاں بھی دیکھا
تھی بات میرے دل کی نکلی تری زباں سے

جب حُسن خود نما ہے اور عشق زخمہ افگن
اس کش مکش میں پردہ نکلے گا درمیاں سے

میدانِ امتحاں ہیں اے بے غرض محبّت
دل کی زمین تو نے ٹکرا دی آسماں سے

اے جذب شوق منزل ممنون غیر کیوں ہوں
خود راستا بدل کر بچھڑا ہوں کارواں سے

ہر گام پر ٹھٹھکنا، ہر بار مُڑ کے تکنا
اُو مسکرانے والے کیا لے چلا یہاں سے

اُس رازدار غم کی حالت نہ پوچھ جس کو
کہنا تو ہے بہت کچھ محروم ہے زباں سے

ظاہر فریب وعدہ پھر اعتماد اتنا
وہ لکھ گیا دلوں پر جو کہہ دیا زباں سے

آنکھوں سے باغباں کی شعلے نکل رہے ہیں
تنکے دبائے منہ میں نکلا ہوں آشیاں سے

دل کا سکوں گنوا کر ہوں آرزو پشیماں
کچھ لیکے رکھ نہ چھوڑا کیوں جنس رائگاں سے

عاشقی میں زندگی بھر کی جوانی چاہیئے
روز لٹنے کو بہارِ جاودانی چاہیئے

امتحاں گاہِ وفا میں ہمتِ دل کا ہی قول
ہر قدم پر اِک بلائے ناگہانی چاہیئے

دو بہاریں ایک کر دیتا ہے عشق فتنہ کار
ضد کو بچپن اور مٹنے کو جوانی چاہیئے

ہو کے آنسو بہہ چکا خونِ جگر اس پر یہ حال
آگ دل کی کہہ رہی ہے اور پانی چاہیئے

کھا کے چرکا بادِ وفا دل کِھل کِھلا کر ہنس دیا
غم بھی شرما جائے ایسی شادمانی چاہیئے

عشق کی ہنگامہ آرائی کا ساماں الاماں
آگ دل میں آرزو آنکھوں میں پانی چاہیئے

فریب وعدے کا تیرے کوئی شکار نہ ہو
غضب ہے عمر کٹے ختم انتظار نہ ہو

مشاہداتِ تصوّر ہیں کیا طلسمِ فریب
نظر یقیں کرے دل کو اعتبار نہ ہو

سکھا کے شیوہ تسلیم دل کیا ہے عطا
کہ اختیار پہ بھی کوئی اختیار نہ ہو

فریبِ گردشِ چشمِ کرم مَعَاذَ اللّٰہ
اُمیدوار بنا دے اُمیدوار نہ ہو

سنورنے کی ادا ہے بکسنتی کلیوں میں
کہیں خزاں کی یہ لُوٹی ہوئی بہار نہ ہو

مرض نے عشق کے پیدا کیا ہے خود وہ مزاج
گلے سے زہر بھی اُترے تو ناگوار نہ ہو

ہو فتحِ حسن میں خود شانِ اعترافِ شکست
سیاہ پوش ہو عالم وہ سوگوار نہ ہو

یہ خواب عشق کا اور آرزو شباب کی رات
قضا بھی آ کے جگائے تو ہوشیار نہ ہو

میں کہاں کہاں نہ جاؤں جو یہ ہو کہ تم کو پاؤں
سبھی دیس ڈھونڈھ آؤں جو یہ ہو کہ تم کو پاؤں

کبھی پھول بن کے مہکوں کبھی سبزہ بن کے لہکوں
نئی بھیس سو بناؤں جو یہ ہو کہ تم کو پاؤں

وہ کڑک ہو بجلیوں کی کہ گرج ہو بادلوں کی
میں ہر ایک میں سماؤں جو یہ ہو کہ تم کو پاؤں

میں ہوں آرزو سراپا ہے خودی سے واسطہ کیا
کبھی آپ میں نہ آؤں جو یہ ہو کہ تم کو پاؤں

جب سے چپ کر گئے وہ کہہ کے سخن ساز مجھے
بن گئی تیسر ملامت مری آواز مجھے

جلد دیوانہ بنا اے نگہِ ناز مجھے
کہ جو کہنا ہے چھپانا ہے وہی راز مجھے

دل میں پھر لہر وہ اٹھی جو ہے طوفان بلا
پھر مصیبت میں پھنسائے گا دغاباز مجھے

تیرا ملنا ہے اگر ترک خودی پر موقوف
خود مری آنکھ کرے گی نظر انداز مجھے

بیدلی ہی سے ہوا گم شدہ دل کا احساس

نظر آیا اسی انجام سے آغاز مجھے

کتنی گہری تھیں تری چشمِ کرم کی چالیں
اور جھکوا دی نظر کر کے سرافراز مجھے

دیکھ لی بختہ مزاجی تری اے وحشتِ عشق
کہ ملامت کا بھی ڈر رکھ نہ سکا باز مجھے

وہی غمخوار کہ چپ دیکھ نہ سکتا تھا کبھی
اب پکارو بھی تو دیتا نہیں آواز مجھے

جسم بے جان جو قفس میں تو نشیمن میں ہی جان
لے اُڑی ہوتے ہی گم طاقتِ پرواز مجھے

بیخودی بڑھتے ہوئے شوق کی کچھ رنگ نہ لائے
دیر سے بھانپ رہی ہے نگہِ ناز مجھے

آرزو پھر کہیں رہ سکتا ہے فرق من و تو
جب پکاریں وہ بنا کر مری آواز مجھے

جو پابندِ مرضیٔ جاناں نہ بن سکے
انساں کہے گئے مگر انساں نہ بن سکے

وہ چپ ہیں التجا پہ، مگر چتونوں میں ہے
اس طرح کی نہیں جو کبھی ہاں نہ بن سکے

دل کا یقیں ہی نہیں جن کی زباں کیساتھ
کلمہ بھی پڑھ کے وہ تو مسلماں نہ بن سکے

دشمن ہی بن گیا ہے تو یوں کام جان بگاڑ
تیرے بنائے بھی جو مری جاں نہ بن سکے

آزاد روح کے لیے خطرہ ہے قصرِ تن
ڈھے جائے یوں کہ پھر سے یہ زنداں نہ بن سکے

قالب بدلتے ہی رہے منزل کے شوق میں
اس پر بھی خاکِ کوچۂ جاناں نہ بن سکے

صحبت بر آرہیوں سے کیا ہو جو آرزو
شاعر تو بن گئے مگر انساں نہ بن سکے

اندھیرا دیکھنے میں تو زمیں سے آسماں تک ہے
نہ جانیں غم کی یہ دنیا کہاں سے ہے کہاں تک ہے

پتہ ہی سمت منزل کا نہ حد ہے طول منزل کی
وہاں تک کچھ نہیں پھیلاؤ نظروں کا جہاں تک ہے

نتیجہ بھی تو کچھ پیش آئے میٹھی میٹھی باتوں کا!
دل اس سے ہو گا کیا آسودہ جو لذت زباں تک ہے

اثر صحبت کا برحق اور صحبت ایسے دشمن کی
ڈر اس نالے سے بھی جس کی رسائی آسماں تک ہے

فضا ہی سونی دنیا کی جسے کہتے ہیں یکسوئی!
خروش و جوش جتنا بھی ہے رسم امتحاں تک ہے

ہوس جبتک نہ مٹ جائے لگے کیا جی کا نخل بیڑا
کہ جتنا زور ہے طوفاں کا اس بادباں تک ہے

یہ ہمت کرکے پوچھے کون آزادی کے دشمن سے
قفس بھی ہی نظر میں یا عداوت آشیاں تک ہے

ہر اک ذرے میں آنکھیں دیکھتی ہیں حسن کی دنیا
خدا جانے ترے جلووں کی پاشانی کہاں تک ہے

علاقہ آرزو بزم ادب سے کیا رہا اس کو
اثر جس شور بے ہنگام کا گوش گراں تک ہے

دل سے اُٹھے نہ پھر کہیں لو کا
رُک گیا ہے بہاؤ آنسو کا

پیش کرتا ہے غم کی شیشہ گری
ہجر ساقی میں ڈھلنا آنسو کا

کشتِ غم آج ساری دنیا ہے
ایک دانہ گرا تھا آنسو کا

مِٹ چکی جوشِ غم کی یکسانی
قطرہ چھوٹا بڑا ہے آنسو کا

دل کا چھالا بھرا پیالہ ہے
ایک قطرہ پیا تھا آنسو کا

جن سے دریا بہے اُن آنکھوں میں
نام بھی اب نہیں ہے آنسو کا

دھو لیا داغ دامن آنسو سے
دھوئیں کس شے سے رنگ آنسو کا

آگ پانی تو ہو نہیں سکتی!
دل کا چھالا بھرم ہے آنسو کا

رُوئے بھی آرزو ہنسے بھی خوب
تار ٹوٹا مگر نہ آنسو کا!!

دل مکدّر ہے آئینہ رو کا
نہ ملا رنگ سے پتہ بو کا

ہے دمِ صبح وہ خماریں آنکھ
ایک ٹوٹا طلسم جادو کا

کہیں جاتی بہار رُکتی ہے
دامن آیا نہ ہاتھ میں بُو کا

کم جو ٹھہرے جفا سے میری وفا
تو یہ پاسنگ ہے ترازو کا

دل کی بیچینیاں خدا کی پناہ!
تکیہ ہٹ ہٹ گیا ہے پہلو کا

ہے نئی قید اب یہ آزادی
زور ٹوٹا ہوا ہے بازو کا

آندھی آہوں کی سیل اشکوں کی
اب نہیں کوئی اپنے قابو کا

قہقہہ بھرتی ہے صراحی کیا
ظرف خُم سے سوا ہی چلّو کا

سُوتی قسمت کی نیند اُڑا دیگا
نرم تکیہ کسی کے زانو کا

عشق بازی ہی جان کی جوکھم
وہیں مارا پڑا جہاں چُوکا

آرزو دل ہے وقت بیم و اُمید
جھلملاتا چراغ جگنو کا

ناگوار آپکے غصے کی ادا کیا ہوگی
ہر جفا میں ہی وہ لذت کہ وفا کیا ہوگی

ساتھ ہی دل ہی امانت جو عذاب جاں ہی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ بلا کیا ہوگی

زخم دل چھیڑنیوالے کو یہ معلوم نہیں
لطف بڑھ جائیگا تکلیف بھلا کیا ہوگی

ہمن اپنے لئے تجویز سزا ابھی کر دوں
تم اگر پہلے بتا دو کہ خطا کیا ہوگی

رکھتا اندازۂ تابِ نظر اے جلوۂ حسن
ہو کوئی چیز ضرورت سے سوا کیا ہوگی

ہے تڑپنے میں وہ لذّت کہ فدا لاکھ سکوں
بن گیا درد ہی سب کچھ تو دوا کیا ہوگی

کچھ کے کچھ ہوگئے وہ اور یہی کہتے رہے ہم
ان سے بدعہدیٔ پیمانِ وفا کیا ہوگی

سعیٔ بے سود ہوس لائقِ الزام نہیں
جرم خود ایک سزا ہے تو سزا کیا ہوگی

دلِ ناکام تمنّا میں تمنّا کیسی
اور اگر ہوگی تو مرنے کے سوا کیا ہوگی

آرزوِ عشق گنہ ہے تو غمِ ہجر عذاب
اک سزا یافتہ کو اور سزا کیا ہوگی

دل دینے کا اقرار اگر ہو تو ابھی ہو
اور یوں ہو کہ دیدار اگر ہو تو ابھی ہو

تقدیر سے ڈرتا ہوں کہ پھر مت پلٹ جائے
تم دل کے خریدار اگر ہو تو ابھی ہو

دیدار کو کل کہہ کے قیامت پہ نہ ٹالیں
اور شوق کا اصرار اگر ہو تو ابھی ہو

بدلا ہوا ہر عہد نیا لاتا ہے پیغام
یہ کیا کہ ہر اقرار اگر ہو تو ابھی ہو

آ لینے تو دو آرزو و آزار میں لذت
تم نام سے بیزار اگر ہو تو ابھی ہو

آنکھ سے دل میں آنیوالا
دل سے نہیں جانے والا

گھر کو پھونک کے جانیوالا
پھر کے نہیں ہے آنے والا

دوست تو ہے ناداں ہے لیکن
بے سمجھے سمجھانے والا

آنسو پونچھ کے ہنس دیتا ہے
آگ میں آگ لگانے والا

ہے جو کوئی تو دھیان اسی کا
آنے والا جانے والا

حسن کی بستی میں ہے یارو
کوئی ترس بھی کھانے والا

بگڑا ہوا ہے آپ ابھی تو
بگڑے کام بنانے والا

ڈال رہا ہے کام میں مشکل — مشکل میں کام آنے والا
دی ننھی تسلی یہ کس دل سے — چُپ نہ ہوا چلانے والا
خواب کے پردے میں آتا ہے — سوتا پا کے جگانے والا
اک دن پردہ خود اُلٹے گا — چھپ چھپ کر ترسانے والا
آرزو ان کے آگے ہے چُپ کیوں — تم سا باتیں بنانے والا

وہ چُپ بھی رہ کے غمِ دل چھپا نہیں سکتا
جو اُترے منھ کی اُداسی مٹا نہیں سکتا

جو دل میں اُٹھتی ہے رہ رہ کے لہر ہلکی سی
یہ رنج ہے کہ خوشی کچھ بتا نہیں سکتا

پلٹ کے جا نہیں سکتے ہیں ہم وہاں اب تک
گیا زمانہ بھی اب پھر کے آ نہیں سکتا

وہ یادِ عیش مصیبت کا جو سہارا ہے
ہزار دل سے بھلائے بھلا نہیں سکتا

وہ درد جس کی خلش ہی میں اب ہے لطفِ حیات
جو خود بھی چاہے بھلانا بھلا نہیں سکتا

اب آرزو تری دنیا اسی سے روشن ہے
جو آگ دل میں لگی ہے بجھا نہیں سکتا

پیاس میں پانی نہ پائیں خونِ دل پیتے رہیں
ایسے جینے پر جو مرتے ہوں وہی جیتے رہیں

کم نہیں خونِ جگر بھی بادۂ گلرنگ سے
ہے اگر جینا تو کچھ کھاتے رہیں پیتے رہیں

باعمل دیوانے اچھے بے عمل ہشیار سے
پیرہن کرتے رہیں چاک اور پھر سیتے رہیں

بندگی بیچارگی سچی مثل ہے آرزو
دلولے تو مرتے جائیں اور خود جیتے رہیں

چلو تو پاؤں سے چیونٹی کو بھی بچا کے چلو!
نہ یہ کہ بند کیے آنکھ منھ اُٹھا کے چلو!

جو آ رہے سامنے ٹھوکر کے بھی نجیف کوئی
تو آپ ہٹ کے چلو کیوں اسے ہٹا کے چلو

ہر ایک گام ہے دھوکا فریب منزل کا
یہ راہ ٹھیک نہیں ہے قدم بڑھا کے چلو

ستانے میں جھجک کھسیان پن بے مسکرانے میں
محبّت سیکھ بیٹھے کیا محبّت آزمانے میں

وہ ہنستے ہی رہے اور پس گئے ہم ناز اُٹھانے میں
عداوت ختم کر ڈالی محبّت آزمانے میں

جگہ یہ لے چکا غم اے مسرّت دُبدبہ دل سے
بسیرا ہو نہیں سکتا پرائے آشیانے میں

سکوں ہر نفس دھو کا حدِ فاصل کا ہی یعنی
یہیں آتا زمانہ ملتا ہے جاتے زمانے میں

وفا ہاری جفا جیتی۔ جفا ہاری وفا جیتی
تمہاری آزمایش بھی ہے میرے آزمانے میں

سبھی اب بے مروّت، بیوفا، بے دید کہتے ہیں
انھیں بھی دیکھ جو دھیّے لگے دامن بچانے میں

بھلا ہو درد دل کا، ناتوانی کو خُدا رکھے
شریک کار ہیں دونوں اُٹھانے میں بٹھانے میں

تہی دستی پہ محشر کی جو آنسو بن کے نکلے ہیں
یہ دو میرے بھی موتی رہنے دے اپنے خزانے میں

جفا و جور کی جا آرزو اب ہے پشیمانی
مٹانیوالے خود بھی مٹ گئے میرے مٹانے میں

خموش جلنے کا دل کے کوئی گواہ نہیں
کہ شعلہ سرخ نہیں ہے دھواں سیاہ نہیں

کرے گی خود ہی پشیمان نگاہ عذرِ گناہ
وہ مدعی ہوں کہ جس کا کوئی گواہ نہیں

جو ڈھونڈھے بوالہوس ان کو تو آپ ہی کھو جائے
کہ خاص راہ ہے یہ عام شاہراہ نہیں

جزا کے بدلے سزا دیکھ لی عدالتِ حسن
گلہ ستم کا کہ گر ہے ستم گناہ نہیں

وہ دل ہے ساتھ کہ جس سے نہ ہو گا چھٹکارا
مرے لئے کہیں اے آرزو پناہ نہیں

دل میں حسرت ہے تری آنکھ میں صورت ہے تیری
چھینے لیتی ہے مجھے مجھ سے محبّت تیری
دل کو اتنی بھی گوارا نہیں فرقت تیری
آنکھ جھپکے مگر اوجھل نہ ہو صورت تیری
کھو چکی یوں مجھے دُنیا سے محبّت تیری
اپنی صورت بھی نظر آتی ہے صورت تیری

ہو اثر عشق خام ہے ورنہ — یا تو مانو اسلام ہے ورنہ

غم سے دل، دل ہے نام ہو ورنہ — خالی از بادہ جام ہے ورنہ

ہر نفس اک شراب کا ہو گھونٹ — زندگانی حرام ہے ورنہ

بہتے آنسو کے ساتھ بہہ نکلے — دل بھی پتھر کا نام ہے ورنہ

غم سے کیفِ سرور حاصل کر — عشق سودائے خام ہے ورنہ

رمز پنہاں ہو صرف وقفِ طلب — ہر نفس اک پیام ہے ورنہ

دیکھ چشمِ زمانہ کی گردش، — ہیچ ہر صبح و شام ہے ورنہ

بے قراری ہے شغلِ بیکاری — عشق بھی کوئی کام ہے ورنہ

چشم کو امتیازِ خاص تو دے — جلوہ اک رسمِ عام ہے ورنہ

بے ضرر نالۂ رسا ہے تو خیر — جَور کا انتقام ہے ورنہ

آرزو و غم میں ہر نفس ہو اک آہ
قصّہ یہ ناتمام ہے ورنہ

اُبی تلوار جوشِ شوق کا حاصل نہ بن جائے
ادا خونی نہ بن جائے نظر قاتل نہ بن جائے

وفورِ احساں کا الزام کے قابل نہ بن جائے
تسلّی سے تمنّا اضطرابِ دل نہ بن جائے

خبر کیا شوق کے پیچیدہ رستوں کی تجھے ناصح
یہی گم کردہ راہی جادۂ منزل نہ بن جائے

خموشی شانِ استغنیٰ دکھاتے بھی جھجکتی ہے
تڑپ چغلی نہ کھا بیٹھے نظر سائل نہ بن جائے

وہ ظالم ظلم سے تھک کر ہوا ہے رحم پر مائل
جو دل پتّھر بنا پھر چوُر ہو کر دل نہ بن جائے

سرور آگیں ہے سختی امتحاں گاہِ محبّت کی
جگانا ہے جسے وہ اور بھی غافل نہ بن جائے

اُلٹ جائیگی دنیا شوق کی اُلٹا نہ گر پردہ
کہیں یہ سرد مہری گرمیٔ محفل نہ بن جائے

ستم کی انتہا کیا ہے خجالت اور پشیمانی
جو قاتل بن کے بیٹھا ہے کہیں بسمل نہ بن جائے

کٹھن رستا ٹھکانا دور رسالک بند کر آنکھیں
مناظر کی کشش ہر گام اک منزل نہ بن جائے

حریفِ مدّعا سے مدّعائے دل کا منوانا
یہ قاتل شوق خود ہی قتل کے قابل نہ بن جائے

وہیں تک آرزو لازم ہے دل کی ناز برداری
کہ یہ نادان اپنا آپ ہی قاتل نہ بن جائے

حسینوں کی قاتل نظر توبہ توبہ
کرے چوٹ کھا کر بشر توبہ توبہ

جو اک بار کر بیٹھے جرمِ محبت
تو کرتا رہے عمر بھر توبہ توبہ

نہ اتنی بھی پی بیدھڑک پینے والے
کرے اک جہاں دیکھکر توبہ توبہ

تھکے جب دوا کر کے زخمِ جگر کی
تو کرنے لگے چارہ گر توبہ توبہ

حدِ ناکامی میں دل کی خودکشی کام آگئی
دوستی کچھ آج اک ناداں کی بھی کام آگئی

زندہ رہنے کو جھلک اُمید کی کام آگئی
تیرگی میں جھلملاتی شمع بھی کام آگئی

خون بھی آنسو جو بنتا کر ہی دیتے تذرِ غم
جوشِ فیاضی میں دولت کی کمی کام آگئی

سُکھ سے دُکھ اچھا کہ جس نے رسم سکھلایا انھیں
قدر کے قابل ہے وہ جو چیز بھی کام آگئی

ایسا سونا جاگنا کیا ہو خوشی جس میں نہ رنج
زندگی تھی اتنی ہی جو زندگی کام آگئی

عقل سے بیگانہ ہو کر پالیا دل کا سکون
آگہی بیٹھی رہی ناواقفی کام آگئی

آگیا بھولا زمانہ یاد اُدھ کھِلتی کلی !
کچھ ہمارے بھی ترے دل کی خوشی کام آگئی

شغلِ بیکاری کو دل اُن کا کھلونا بن گیا
وقت پر آج اک نکمّی چیز بھی کام آگئی

ختم پروانے پہ کب ہے آرزو سوزِ وفا
یُوں ہی جلتے جلتے آخر شمع بھی کام آگئی

سوئے ظن جب سینکڑوں الزام لیکر آگیا
جو کبھی دل میں نہ آتا تھا وہ لب پر آگیا

طے کروں کیونکر، ہجوم ناز میں راہِ نیاز
جب بڑھایا پاؤں آگے ایک پتھر آگیا

یہ تو مانا صبر مجبوری نے سکھلایا ہمیں!
ظلم ڈھانا بے سکھائے تم کو کیونکر آگیا

اور اِس در کے سوا کوئی ٹھکانا تھا کہاں
رکھ کے دل پر ہاتھ اُٹھتے تھے کہ چکر آگیا

راستے کی ٹھوکروں پر چونکنا کیا آرزوؔ
جس جگہ ٹکر لگے جانو کہ وہ در آگیا

جہاں کہ ہے جرم ایک نگاہ کرنا
وہیں ہی گنہ پہ ڈٹ کے گناہ کرنا

بتوں سے بڑھ کے میل تباہ کرنا
جہاں کے سپید کو ہے سیاہ کرنا

سکھایا ہے مجھکو اس مری بیکسی نے
اُسی کو ستم کا اس کے گواہ کرنا

لبھانے سے دل کے تھا تو یہ مدعا تھا
غریب کی زندگی کو تباہ کرنا

یہی تو ہے ہاں یہی وہ ادائے معصوم
الگ ہوئی جو سکھا کے گناہ کرنا

جفا سے بھی ہیں مزہ نہ وفا کا کیونکر
ہمیں تو ہر اک طرح ہے نباہ کرنا

یہ کہتا ہے چشم ہوش رُبا کا جادو
تجھے ترے ہاتھ سے ہے تباہ کرنا

تری ہی نظر سے سیکھا ہے آہ دل نے
جگر میں شگاف ڈال کے راہ کرنا

نظر میں نظر گڑائے ہے یوں وہ ظالم
کہ آرزو اک کٹھن ہے اب آہ کرنا

وہ ادا ہائے جو بے صبر بنا دیتی ہے
ٹھہرے پانی میں بھی طوفان اٹھا دیتی ہے

زندگی عشق میں بن جاتی ہے بجتا ہوا ساز
تار بن بن کے ہر اک سانس صدا دیتی ہے

تری آنکھوں کی للک دل سے نہ مٹنے والی
نیند آئی ہوئی آنکھوں سے اُڑا دیتی ہے

چُپ بھی رہنے سے نہیں رازِ محبّت چھپتا
ہر نظر دل کی لگاوٹ کا پتا دیتی ہے

ایک کو چھانٹ لیا کرتی ہے یہ دل کی اُمنگ
اور ہزاروں کو نگاہوں سے گرا دیتی ہے

اک بدلتی ہوئی دنیا کی طرح دل کی اُمنگ
غیر کے واسطے اپنوں کو چھڑا دیتی ہے

ہر نفس ولولہ عشق کی بڑھتی طاقت !!
راستا روکنے والوں کو ہٹا دیتی ہے

کششِ شوق برابر کی جو باقی ہے گھر
ایک ہی رشتے میں دونوں کو پھنسا دیتی ہے

پھر وہ کیا شے ہے کہ جو دشمنِ راحت بن کر
خاک میں بڑھتی اُمنگوں کو ملا دیتی ہے

گرتی ہے عطر سے خوشبو کو جلد بن کے ہوا
رنگِ مہندی کا بھی ہاتھوں سے چھڑا دیتی ہے

آرزو وہ بھی دن آتا ہے کہ مجبوریٔ دل
آپ آرام کو تکلیف بنا دیتی ہے

وہ دم توڑ کے دیکھ کر رو دیئے تھے
یہی آس تھی جس پہ اب تک جیئے تھے

جو دکھ آپ الفت میں پیدا کیئے تھے
یہ ان کے لئے تھے کہ اپنے لیئے تھے

نہ جانیں یہ ان کے کرم کس لیئے تھے
بڑھایا تھا شوق اور پردے کیئے تھے

نشانہ بنا کر جو خود رو دیئے تھے
وہ تیر ان کے گویا انھیں کے لیئے تھے

بڑھانے کو دکھ زخم دل کے سیئے تھے
کہ ٹوٹے تھے ٹانکے وہ جب ہنس دیئے تھے

وہ پانی بھی کچھ تیل سے کم نہیں تھا
جو بھڑکانے والوں نے چھینٹے دیئے تھے

بہائے تھے جب تک نہ دو بوند آنسو
کلیجے پر اک بوجھ جیسے لیئے تھے

جنونِ محبّت کے رنج و خوشی کیا
یوہیں ہنس دیئے تھے یوہیں رو دیئے تھے

کچھ اچھا نہ تھا چھیڑنا غمزدوں کا!
ہنسی کر کے خود وہ بھی رُو رُو دیئے تھے

محبّت میں راہِ عمل بنتی کیونکر
بدلتی نگاہوں نے دُھوکے دیئے تھے

نتیجہ نہ پوچھ آرزو ضبطِ غم کا
نے زہرِ قاتل جو آنسو پیئے تھے

کیسا اُجڑا چمن خوشی کا کیسا نصیبا پھوٹ گیا!
پھول بھی رخصت، بو بھی رخصت، رنگ بھی گُل کا چھوٹ گیا
جبر پہ بھی تو وفا کا پُتلا گھر سے نکلا دل سے نہ نکلا
اس کی للک ہے اب بھی باقی دیکھنے میں تو چھوٹ گیا

کچھ جو پتا بھی اس کا پائیں کیا منھ لیکر سامنے جائیں
آئیگا وہ کیوں لاکھ بُلائیں یہ بھی سہارا ٹوٹ گیا

میں سمجھوں نہ سمجھوں وہ سمجھا رہے ہیں
برابر ٹہوکے دیتے جا رہے ہیں

بہ صورت کشتی سب ہے بیم و رجا کی
نہ وہ آ رہے ہیں نہ وہ جا رہے ہیں

مٹائے مٹے گی نہ ہستی وفا کی
نئے نقش بنتے چلے جا رہے ہیں

محبّت بناتی ہے پتھّر کو پانی
بڑے ڈھیٹ وہ پھر بھی شرما رہے ہیں

محبّت میں رستے وہ پیش آ رہے ہیں
کہ رکتے جھجکتے چلے جا رہے ہیں

یہ میرے ہی دل کی صدا تو نہیں ہے
کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ آ رہے ہیں

خموشی پہ قدرت بیاں کی نہ قابو
فقط ہونٹ ہی ہونٹ تھرّا رہے ہیں

نہ رونا ہے رونا نہ ہنسنا ہے ہنسنا
کوئی رمز ہے جس کو سمجھا رہے ہیں

ڈبو دے گی کیا آرزو شرمِ اُلفت
برابر پسینے چلے آ رہے ہیں

عجب زندگی ہے عجب زندگی ہے
کہیں ظلم پر ظلم اور بے بسی ہے

کمائی کسی کی ہے قبضہ کسی کا
جدھر دیکھیئے اُلٹی گنگا بہی ہے

اگر رُو رُو بھی تم، تو دل کیوں پسیجے
انھیں آنسوؤں سے تو کھیتی ہری ہے

چُھپا با لہو اور اِتنا نہ پوچھا
یہ ہونٹوں پہ کل ہے کی لالی جمی ہے

وہی مار کھائیں وہی باندھے جائیں
زبردستیوں کی بھی حد ہو چکی ہے

ستم یوں غریبوں پہ ڈھاتے ہیں جیسے
خدا نے خدائی انھیں بخش دی ہے

غریبوں کا خون آرزو جل رہا ہے
امیروں کے گھر ہر طرف روشنی ہے

شوقِ راحت ہی تو دل میں درد پیدا کیجئے
مرنا آجائے تو جینے کی تمنا کیجئے

حسن کا آئینہ بن کر ہو چکا دل چور چور
اس مٹے پر بھی وہ عالم ہے کہ دیکھا کیجئے

ہر رہیں اس پردے کی ہیں بیم و رجا کی کشمکش
کچھ ہے کرنا ہی تو کیوں امروز و فردا کیجئے

بخت واژوں پر تو قابو فیض ساقی کا نہیں
ہاتھ کانپے جام اُلٹ جائے تو پھر کیا کیجئے

خودنمائی کا تقاضا، آخر کیوں ہے بیچ میں
شرم کہتی ہے کہ اس پردے کو دُہرا کیجئے

وہ عدوئے آرزو اور دل سراپا آرزو
کس کا کہنا ٹالئے اب کس کا کہنا کیجئے

فنا سے دوامی بقا چاہتے ہیں
جو تم ہو وہی ہم ہوا چاہتے ہیں

جو اچھی بُری کچھ نہیں کہتے ہم سے
ہمیں ان سے اب کچھ کہا چاہتے ہیں

جو بن بیٹھے تھے آکے آنکھوں کی پُتلی
اب آنکھوں سے اوجھل ہوا چاہتے ہیں

سُلجھنے کو ہیں معنئ لن ترانی
اب آنکھوں سے پردے اٹھا چاہتے ہیں

وہ ہم سے - ہم ان سے وفا چاہتے ہیں
سبھی اپنا اپنا بھلا چاہتے ہیں

سخن ساز جھوٹی محبّت جتا کر
مرض کچھ نہیں اور دوا چاہتے ہیں

جو پردہ وہ جلوہ، جو جلوہ وہ پردہ
وہ کیا سمجھیں جو دیکھنا چاہتے ہیں

پسِ خودکشی اپنا دعویٰ جتا کر
مجھی سے مرا خوں بہا چاہتے ہیں

عاشقی میں ہمتِ مردانہ ہونا چاہیئے
کھیلنے کو آگ سے پروانہ ہونا چاہیئے

آئے جو وہ جل کے خاکستر ہو جز یادِ حبیب
دل کو غم سے ایسا آتش خانہ ہونا چاہیئے

دونوں کو کامیاب وصل ہونا ہے تو پھر
شمع اِس کو اور اُسے پروانہ ہونا چاہیئے

بے نیازِ مدعا اور نازبرداری کا شوق
عقل رکھتا ہے تو پھر دیوانہ ہونا چاہیئے

مرحبا نازِ تلوّن، آئے جائیں انقلاب
روز سُننے کو نیا افسانہ ہونا چاہیئے

ہے یہی شے جو زبان و دل کو کر دیتی ہے ایک
مشربِ اہلِ صفا رندانہ ہونا چاہیئے

میکدہ میں جا، مگر اس شان سرمستی کے ساتھ
آنکھ کو چھلکا ہوا پیمانہ ہونا چاہیئے

دل کے اس دردِ ہوس کا چیر ہی ہے گر علاج
آنکھ میں آنسو بھی بے رحمانہ ہونا چاہیئے

دور کر پہلے دوئی کو بن پھر اس کا خلوتی
آرزو اپنے سے بھی بیگانہ ہونا چاہیئے

خود غرض سمجھے کوئی ایسا نہ ہونا چاہیئے
عاشقی میں شانِ معشوقانہ ہونا چاہیئے

کچھ نہ ہونے سے ہے بہتر ظلم ہی کا سلسلہ
چاہے کچھ بنجاؤ بے پروانہ ہونا چاہیئے

رہتا ہی طوفان در دامن مزاجِ حسن و عشق
آگ پانی کو کبھی یکجا نہ ہونا چاہیئے

شرم کیسی عشق میں جب آگئی شانِ جنوں
اتنا جوشش ہی جنونانہ ہونا چاہیئے

بس جھکی آنکھوں میں اب تو کیا کہے مشتاق دید
کعبہ جھکتے نظروں میں تو پرانہ ہونا چاہیئے

ہر جفا پر لطف لینے کے عوض چلّا اٹھے
اک وفا کو دار کو ایسا نہ ہونا چاہیئے

شوق کو گستاخ کر کے جو بنا دے پردہ در
اتنا گہرا حسن کا پردا نہ ہونا چاہیئے

ہے اسی میں آرزو پاس نیاز و شانِ ناز
وعدہ ہونا چاہیئے ایفا نہ ہونا چاہیئے

نزع کی ہچکی شکستِ ساز ہے
نالہ ٹوٹے تار کی آواز ہے

کیا کہے وہ جو سراپا راز ہے
چُپ مری فریادِ بے آواز ہے

اس بدلنی منت کا بھی کیا ساز ہے
سیکڑوں نغمے ہیں اک آواز ہے

وَا ہے کچھ اس طرح چشمِ انتظار
جیسے آغوشِ تمنّا باز ہے

ہنس نہ اس حالت پہ ذلّت کی ہنسی
خستگی پر جس کی مجھ کو ناز ہے

ہے جنونِ پردہ در ہی پردہ دار
رازِ دل کھُل جانے پر بھی راز ہے

یہ کرم بھی کچھ ستم سے کم نہیں
جان کا خواہاں ہے جو انداز ہے

رُخ نشیمن کا قفس کی ٹکّر میں
دل کے اندھے شوق کی پرواز ہے

ہنستے ہی آنسو بھر آیا آنکھ میں
کس برے انجام کا آغاز ہے

بند اُڑ جاتی تھی جس نالے کے ساتھ
اب وہ اب ڈوبی ہوئی آواز ہے

آرزوؔ مر مر کے جینا ہے یونہی
جاں ستاں یہ غم اگر دمساز ہے

یہ آنکھ یہ دل یہ جاں یہ تن، جو کچھ بھی اب ہے عذابِ جاں ہے
پھنسائی آفت میں جان جس نے وہ کون ظالم ہے اور کہاں ہے

یہ ٹھنڈی گرمی ہیں کون شے ہے کہ دِن نفس سے بھی بدگماں ہے
جمی ہوئی یخ کا انجرہ ہے، سُلگتی بھٹی کا یا دھُواں ہے

کہیں نہیں جو وہ ہر کہیں ہے مکاں ہے کچھ نہ لامکاں ہے
خود اپنی آنکھوں میں دیکھتا ہوں وہ ایک پردہ کہ درمیاں ہے

یہ حال ہے تیرے حیرتی کا کہ جس پہ تصویر کا گماں ہے
وہی ہے بُت اور وہی پجاری مداخلت غیر کی کہاں ہے

نہ شعلۂ برق اس سے واقف نہ باخبر چشمِ باغباں ہے
نظر جہاں رہ گئی ہے جم کر وہی حقیقت میں آشیاں ہے

یہ انقلابات کا تماشا ہے آگ پانی کا کھیل گویا!
وہی ہے قطرہ وہی شرارہ وہی ہے بادل وہی دھُواں ہے

فریبِ قسمت ہے کیا مُعمّا، پڑا ہے غم پر خوشی کا پردہ
تبسّم زخم ہجر گویا، شماتت عیش رائگاں ہے

ہٹو نہ کھسیان پن مٹاؤ، ٹھہو کے دے کر نہ گدگداؤ
بنا چکے باتیں جاؤ جاؤ ہنسی ہنسی ہے فغاں فغاں ہے

کٹھن ہیں گو زندگی کے رستے چلے ہی جاتے ہیں گرتے پڑتے
ہر ایک طاقت میں ضعف آیا۔ ہر اک ارادہ مگر جواں ہے

تضمین بر غزل خود ۱

دیکھے اضداد بہم عشق کے کاشانوں میں
دل کی آگ آنکھ کا پانی ہوئی میخانوں میں
لطف کچھ ہے تو انہیں درد کے افسانوں میں
پاؤگے زندہ دلی غم زدہ انسانوں میں
مے یہ ٹپکتی ہے تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں

عہد ہو وعدہ وفائی کی گراں جانوں میں
دیکھو دل کی خنکی سوختہ پروانوں میں
راحت روح ہے تکلیف کے سامانوں میں
پاؤگے زندہ دلی غم زدہ انسانوں میں
مے یہ ٹپکتی ہے تو ٹوٹے ہوئے پیمانوں میں

گرمیٔ عشق کو کیا سمجھے اگر سرد ہو خوں
بے حسوں پر نہیں ہوتا اثر سوزِ دروں
خاک تک تاثر رکھتی ہے مجنوں کی خواص مجنوں
اب وہ دیوانے نہیں ہیں تو منانے کو جنوں
کچھ بگولے نظر آجاتے ہیں ویرانوں میں

اک یہ گھر چھوڑ کے تو گھیرلے گر سارا آفاق
فقط اپنوں ہی کی خاطر ہے مرے دل کا رُواق
فرق آئے جو تواضع میں تو کیونکر نہ ہو شاق
نہ جگہ رُوک تمنّاؤں کی اے داغِ فراق
تو نہیں میرے بلائے ہوئے مہانوں میں

خوشتر آغاز کا پیش آئے اگر تلخ انجام
ذکر میں دونوں کے لازم ہے کہاں ور کلام
خاص یہ رمز ہے سمجھیں گے اسے خاک عوام
پہلے جس عشق نے اونچا کیا انسانوں کو
پھر اسی عشق نے رکھا نہیں انسانوں میں

رنگ وحدت ہی کا نیرنگ ہے کثرت کا بھرم
جگمگا اٹھے ستارے جو پڑے تھے مدّھم
ایک عالم میں نظر آگئے لاکھوں عالم
تیرا دامن تو ہی بے داغ پھر اے شمعِ حرم
روشنی پہونچی کہاں سے یہ صنم خانوں میں

کام میں پڑتا ہی احساسِ خودی سے جو خلل
بے خودی ہوتی ہے آمادہ پئے ردّ و بدل

خون کا بڑھتا ہوا جوش یہ کہتا ہے کہ چل
سرِ شوریدہ کی گرمی کو ہے پیغامِ عمل
یہ کڑی دھوپ کہ پھیلی ہے بیابانوں میں

از عدم تا بہ عدم بیچ میں دن کتنے تھے
بدلے رنگ اتنے ہی جتنے بھی زمانے بدلے
قید میں قید تھی پھندوں میں لگے تھے پھندے
عمر بھر دیکھا کیے دَور نئے جبر نئے
اتنی میعاد کٹی سینکڑوں زندانوں میں

شانِ بیدادی پرداد کی قائم ہے بِنا
مِٹ بھی سکتا ہے مٹائے سے کہیں نقشِ فنا
آہِ مظلوم کی تاثیر ہے اعجاز نما!
مدّتیں ہو گئیں ٹوٹے ہوئے دل کا شیشا
او رصدا آج بھی گونجی ہوئی ہر کانوں میں

پہلے یہ سوچ محل کونسا ہے کیا عالم
کنجِ عزلت ہے کہ انبوہِ خلائق ہر ہم
بھید کھلتا ہے جو خلوت سے نکلتا ہے قدم
کششِ حسن بھی آشوب بلا سے نہیں کم
شمع آئی تھی کہ بس گھر گئی پروانوں میں

خود جھجک دل کی سبب ہوتی ہی محرومی کا
ورنہ اُس کا تو کرم حدِّ طلب سے ہے سوا
جب اُٹھا ہاتھ تو آنے لگی بس بس کی صدا
آرزو فیض کا ساقی کے ابلتا چشما
خوب دیکھا ہے چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

خالص اُردو

کچھ میں نے کہی ہے نہ ابھی اس نے سنی ہی
چتنوں ہے کہ تلوار لیے سر پہ کھڑی ہی
آنے کو ہے کوئی جو للک پیر سے ہوئی ہے
ڈوبے ہوئے سورج کی کرن پھوٹ رہی ہی
ہے پگھلی ہوئی آگ کہ جلتے ہوئے آنسو
لوکا وہیں اٹھا ہے جہاں بوند پڑی ہی
جب سکھ نہیں جینے میں تو اک روگ ہے جینا!
سانس آئی ہے جب چوٹ کلیجے میں لگی ہی

کل کیا کہے دیکھیں یہ بدلتی ہوئی چتون
سَو آسرے ٹوٹے ہیں تو اِک آس بندھی ہے

میں کچھ نہ کہوں اور وہ جو چاہیں کہے جب باتیں
اب رُکی ہوئی سانس گلا گھونٹ رہی ہے

کہنے کو تو آتی ہے انھیں ہاں بھی نہیں بھی
ہو جس پہ بھروسہ نہ وہی ہے نہ یہی ہے

اُبھرے ہوئے چھالے میں ہے رکا ہوا آنسو
بس بجھ چکی یہ آگ کہ پانی سے لگی ہے

کب تک ہے الگ رنگ الگ ڈھنگ الگ نام
پھر ہم ہیں وہی، تم ہو وہی، بات وہی ہے

پھر آرزو آنے کے لئے رات اندھیری
جلتے ہوئے دن ہی سے پتہ پوچھ رہی ہے